بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فلسفۂ زندگی

یعنی

زندگی کی کہانی

میرے مشاہدات

زندگی نکلی مسلسل امتحاں ہی امتحاں - زندگی کو داستاں ہی داستاں سمجھے تھے ہم

عرضِ حال

پہلے پڑھنے والوں کی خدمت میں میری عرض ہے کہ میں نہ عالم ہوں نہ فاضل، نہ میرا یہ دعوےٰ ہے کہ جو کچھ عرض کروں گی وہ وحی ہے یا الہام کہ ضرور یقینی ہے۔ اس لیے اگر کسی کو یہ کہانی ناگوار معلوم ہو تو مجھے معاف فرماوے۔ کیونکہ یہ صرف ایک دُکھیا نے جس کو اُس کی پیاری بیٹی عین عالمِ شباب میں جدائی کا داغ دے گئی۔ اُس نے اپنے اس داغ کو مٹانے

کی کوشش کی ہے۔ لیکن وہ سینے کا داغ جلتا بھی ہے اور روشن بھی ہے اور اُسی داغ کی روشنی میں جو کچھ نظر آیا عرض کروں گی +

جب میری پیاری امینہ اُس پر ہزاروں بلکہ بے گنت بے شمار سلام ہوں، ہمیں تڑپتا چھوڑ کر جنت کو سدھار گئیں تو میرے لئے دنیا اندھیر ہو گئی، نہ کھانا اچھا لگے۔ نہ پینا۔ نہ پہننا اچھا لگے نہ اوڑھنا۔ نہ ملنا نہ ملانا۔ دنیا سے کنارا کش ہو گئی۔ کچھ بھی اچھا نہ لگے۔ پورے سات سال مَیں نے انتہائی غم کے اندھیرے میں گزارے بس ورد زبان تھا ہائے امینہ، ہائے امینہ۔ رات کو اسی نام کی تسبیح کرتی، سو جاتی اور یہی نام پکارتی اُٹھ بیٹھتی۔ میں نے اسی غم میں سوچنا شروع کیا کہ آخر یہ مرنا جینا کیا ہے؟ زندگی اور موت کیا ہے؟ سوچتے سوچتے آخر میں اس مقام پر پہنچ گئی کہ زندگی کے تمام مراحل سب میری آنکھ کے سامنے اس طرح روشن تھے۔ جیسے سورج کی روشنی میں یہ کُل کائنات روشن ہے اور ہماری آنکھیں اسے دیکھ رہی ہیں۔ پہلے میں نے مٹی یعنی زمین کو دیکھا کہ بے حس و حرکت خاموش ہے اُس میں مجھے کہیں زندگی دکھائی نہ دی۔ میں نے مٹی ہاتھ میں اُٹھائی ہر طرف دیکھا، ڈھونڈا شاید جیسے زندگی سو رہی ہو بے حس و حرکت۔ لیکن دوسرا دَور زندگی کا دیکھا، نباتات میں جیسے زندگی جاگ اُٹھی پھر حیوانات میں کہ اُٹھ کر بیٹھ گئی بلکہ چلنے پھرنے لگی ہو اور دیکھنے، بھالنے۔ پھر جو دیکھا انسان

میں جیسے زندگی سوچ رہی ہو لیکن سمجھ میں کچھ نہ آوے۔ پھر یہ سمجھ میں کب آئے گا۔ یہاں نہیں۔ زندگی کا قدم اس مادی دنیا میں یہاں آکر رک گیا یہاں ہماری ترقی کا زینہ ختم ہوا۔ اب پورا سمجھ میں وہاں آئے گا جہاں ہماری پیاری امینہ چلی گئی۔ یہ ہے زندگی کا پانچواں درجہ۔

مٹی سے زندگی شروع ہوئی۔ یہاں چار درجے ختم کیئے اور پھر دوسری زندگی کا پہلا درجہ شروع ہوا مرنے کے بعد اور خدا جانے کتنے درجے کتنی سیڑھیاں ہیں۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ زندگی کو پہلے اللہ تعالےٰ نے زمین میں چھپا دیا۔ اگر زمین میں زندگی نہ ہوتی تو اس میں سے کیسے نکل آتی۔ بس زمین میں زندگی تھی۔ جو نباتات میں ظاہر ہوئی اور بے گِنت بے شمار قسموں میں ظاہر ہوئی اور کیسے کیسے درخت گھاس کے کمزور پودے سے لیکر دیودار جیسے شاندار درخت دیکھنے میں آئے جو باقاعدہ بیج سے پیدا ہوتے پھولتے پھلتے جوان ہوتے بڈھے ہوتے اور مر جاتے اور اس میں کتنے قسم کے میوے دار اور مزوں میں فرق فرق کوئی مزے میں میٹھے تو کوئی کھٹے کسیلے کتنے کڑوے کتنے نمکین، کتنے پھیکے، کسی سے تریاق حاصل ہو تو کوئی زہریں۔ کتنے خوبصورت کتنے بدصورت کتنے کمزور کتنے مضبوط کتنے کارآمد، کتنے نکمّے یا کم فائدہ مند۔ کتنے کلنٹے کتنے پھول دار

کتنے پھول خوشبودار کتنے پھول بدبودار۔ کروڑہا کروڑ۔ انسان چاہے شمار کرنا تو کر نہیں سکتا۔ کوئی ریت میں اُگنے والے۔ تو کوئی برفوں میں جیتے رہنے والے۔ تو کوئی پانیوں کے اندر پیدا ہونے والے کوئی میدانوں میں۔ کوئی پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے، کئی سمندروں میں نباتات ہر جگہ ہر قسم کی۔ ہر مزے ہر خوشبو کی لیکن ہر قسم ہمیشہ وہی رہنے والی۔ نہ کبھی آم میں اچانک انار لگ جاتے ہیں نہ انار میں انگور نہ آم کبھی جامن بن جائے، نہ جامن کبھی آم بن سکے، جس راستے پر اللہ نے چلا دیا، اُسی راستے پہ جا رہے ہیں ؁

اب آیا حیوانات کا درجہ یہ زندگی کا تیسرا درجہ ہے۔ زمین سے زندگی اُبھری تو نباتات میں آئی، پہلے درجہ سے خاصی ترقی پالی لیکن ایک بات رہی زمین میں ہی گڑی ایک ہی جگہ نہ چل پھر سکے نہ دیکھ بھال سکے نہ بول سکے نہ سن سکے۔ نہ اپنی خوراک چل پھر کر ڈھونڈ سکے۔ اب جب زندگی تیسرے درجہ میں داخل ہوئی تو زندگی چلنے پھرنے لگی۔ دیکھنے بھالنے لگی۔ سُننے لگی، بولنے لگی۔ اس کو خوشیوں غموں کا احساس ہُوا۔ پہلے کسی اور طرح کے نر و مادہ تھے۔ اب تو صاف صاف جوڑے بن گئے۔ اب تو زمین پر ہوا میں سمندروں میں ہر جگہ نر و مادہ بن گئے اور آگے بچے پیدا ہونے لگے۔ خود اپنی زندگی کا سامان ڈھونڈنے لگے اور باقاعدہ

گھر بننے لگے۔ نر و مادہ میں اللہ تعالےٰ نے محبت ڈال دی۔ ان کو خوشیاں دیں۔ اور اپنے دُشمنوں سے خوف بھی دیا۔ اُن کو اپنی جان سے زیادہ ننھے بچّے عزیز ہوئے وہ بچّوں کے پالنے میں ماہر بنا دیئے گئے۔ انسان اور حیوان میں تھوڑا ہی فرق رہ گیا۔ بچّے جننے اور پالنے کے طریقوں میں اور کھانا پینا، رہنا سہنا۔ غرضیکہ نباتات سے آگے زندگی نے حیوانات میں پہنچ کر بے حد ترقی کی۔ نباتات زمین میں جمی کھڑی تھی۔ حیوانات کے قدم زمین سے الگ ہو گئے جیسے نباتات کا تعلق زمین سے تھا کہ وہ بھی زمین کی طرح ایک ہی جگہ جمی کھڑی تھی۔ اسی طرح حیوانات کا بھی تعلق نباتات کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے جامن آم نہیں بن سکتی۔ ایسے ہی کتّا بلّی نہیں بن سکتا۔ یہ صاف تعلق اپنا نباتات سے دکھا رہا ہے۔ ان سب کڑیوں نے ظاہر کیا۔ کہ مٹی جمی تھی تو سبزہ بھی ایک ہی جگہ جما کھڑا تھا یہ کڑی تھی نباتات کی زمین کے ساتھ پھر تیسری کڑی حیوانات کی نباتات کے ساتھ اپنا تعلق ظاہر کر رہی ہے کہ جیسے بیر، انگور نہیں بن سکتے۔ اسی طرح بکری شیر نہیں بن سکتی۔ آگے چل کر پھر انسان کی ہزاروں باتیں حیوانات سے مل کر یہ چار کڑیوں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ پہلا درجہ مٹی کا پھر دوسرا درجہ آتا ہے۔ نباتات کا تیسرا درجہ یا سیڑھی سمجھ لیجئے حیوانات کی۔ حیوانات میں آکر پھر زندگی ہر حال میں خوش نظر آتی ہے۔ نہ ہی

بکری کی تمنا ہے کہ میں شیر بن جاؤں نہ ہی شیر کا جی چاہتا ہے
کہ کاش میرے پر ہوتے ۔ ہر کوئی اپنے ماحول میں خوش ہے ۔
مطمئن ہے ۔ چھپکلی کو دیکھئے کتنے شوق سے مچھر پھنگے کھاتی
ہے ۔ اس کے دل میں ذرا ہوس نہیں کہ انگور کھاؤں ۔ کتا ہے ۔
اپنے حال میں مست اور بلی اپنے حال میں مگن ۔ مکھی تک کو دیکھئے
بالکل اپنی حالت پر مطمئن ۔ کوئی بھی کسی دوسری چیز بننے کی نہ رنگا رنگ
کی خوراکوں کی تمنا رکھتے ہیں ۔ کوئی بھی اپنی صورت میں غمگین نہیں
ہر کوئی اپنے ماحول میں خوش مطمئن ۔ یہ کیوں ہے ؟ سنئے
زندگی کو بے شمار حصوں میں تقسیم کر کے اللہ تعالیٰ نے تربیت
دینے کے لئے جُدے جُدے قالب میں ڈال دیا گویا کہ یہ آدمی کے
پڑھنے کے لئے سکول اور کالج تھے ۔ ہاں میں نے جیسے کہا کہ یہ
انسان ہر قالب میں رہ کر سبق سیکھ کر پھر اس قالب میں آیا ہے
تو اس کا پورا ثبوت ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے ۔ اس نے
ہر ایک قسم کی زندگی گزاری ۔ کیوں کوئی دوسری مخلوق کا کوئی حصہ
یہ سب کچھ نہیں کر لیتا ۔ بات یہ ہے ایک ڈاکٹر ہی ڈاکٹری
کر سکتا ہے ایک انجینئر ہی انجینئری ، ایک وکیل ہی ۔ ۔ ۔
وکالت کر سکتا ہے اسی طرح آپ اور سمجھ لیں ، کمہار برتن بنا سکتا
ہے اور لہار لوہے کو ڈھال کر اس سے ہزار چیزیں ، بڑھئی لکڑی
سے ہزاروں چیزیں بنا لیتا ہے دستکار خوبصورت سے خوبصورت

کشمیری شال دوشالے اور اسی طرح دنیا کے دیگر ہنر ہیں جو انسان سیکھ کر پھر وہ اُن کو بخوبی کر سکتا ہے۔ اگر ایک ڈاکٹر کو کہا جاوے کہ تو مکان بنا اور انجنیئر کو بیماروں کے علاج کرنے کے لئے کہا جاوے تو دونوں ہی ناکام ثابت ہوں گے پھر اسی طرح انسان وہ سب کچھ سیکھ کر آنے کے سبب ہی تو ہر طرح کی زندگی گزار لیتا ہے یہ سب کچھ کھا سکتا ہے اور ہر حال میں رہ سکتا ہے۔ اگر اس کو تربیت نہ ملی ہوتی تو یہ سب کچھ کبھی نہ کر سکتا۔ میرا تو پکا یقین دن کی روشنی سے بھی زیادہ روشن یقین ہے کہ یہ تربیت پایا ہوا انسان ہے اور اللہ کے جیسے اور کام نرالے ہیں اسی طرح اس کے مدرسے اور سکول بھی نرالے ہیں اس نے ان قالبوں میں رکھ کر اس کو سب کچھ سکھا دیا۔۔ یہ اس لئے کہ روح یعنی یہ سب ذراتِ زندگی مل کر جب روح کی صورت میں انسان کے قالب میں داخل کی جاوے تو ہر حال میں رہنے کا سبق پڑھ چکی ہو اور بڑی ہوشیار ہو۔ جب زندگی ہر جگہ ہر قسم کے سبق پڑھ چکی تو پڑھی پڑھائی سدھی سدھائی روح بنا کر انسان کے قالب میں داخل کر دی گئی۔ یہ تھا زندگی کا چوتھا درجہ۔ جیسے ہی یہ انسان کے قالب میں داخل ہوئی تو ساری کُل زندہ کائنات تھی ایک طرف اور یہ انسان اکیلا ایک طرف لیکن اتنا تھا کہ انسان بننے پہ اس سے پرے لئے تیز دوڑتے والی ٹانگیں اس کے پاس نہ تھیں نہ دُور کی آواز سننے والے

کان اس کے پاس تھے نہ دُور سے دیکھنے والی آنکھیں اس کو دیں، نہ ہی تیز ناک دی، نہ تیز دانت ملے نہ ہی بڑے بڑے تیز ناخن، نہ ہی سمندر میں اُتر جانے کے لئے گلپھڑے دئے نہ ہی چپو کہ تیر سکے۔ اُس کو نہایت سیدھا خوبصورت جسم بغیر جانوں اور بغیر فر، بغیر پروں کے دے دیا۔ اس نے وہ سب لفظ ملا کر کئی قسم کی زبانیں بنالیں جو وہ ہر ذرے میں بول چکا تھا۔ یہ سیدھا چلنے والا انسان اور سب ذرات زندگی اس کے اندر بھر دئے۔ اب ان سب چیزوں کے بدلے اس کو دیا فہم، اور ادراک کا سوچنا یہ تھا۔ جو اس کو چوتھے درجہ میں انعام ملا۔ اس نے عقل کے ذریعے وہ سب راستے معلوم کر لئے جو جو کچھ یہ حیوانات کی صورت میں کر چکا تھا۔ وہی تڑپ اس کو اب وہاں وہاں لے گئی۔ وہ عقل کے ذریعے بغیر ویسے جسم کے پہنچ گیا۔ جہاں جہاں یہ پہلے پہنچ چکا تھا۔ عقل کے ذریعے اس نے اُڑنے کے سامان بنا لئے وہ عقل کے ذریعے اُڑا پہلے یہ پروں کے ذریعہ اُڑ چکا تھا۔ یہ سمندر کی تہ میں اتر گیا یہ تیز سے تیز دوڑا۔ اس نے دور سے دور کی چیزیں دیکھ لیں۔ خورد بین، دور بین ایجاد کی، ٹیلی فون، ٹیلی ویژن ریڈیو، وائرلیس، تار کے ذریعے خبریں، کیا کیا بتاؤں جو اس نے ایجاد کر لیا، یہ درندوں بلکہ کل مخلوق کے اوپر حاوی ہو گیا۔ بغیر دانتوں، بغیر سینگوں بغیر ناخنوں کے اس نے سب

اپنے قابو میں کر لیا سب کو ماتحت کر کے اشرف المخلوقات کا لقب حاصل کیا۔ وہ ایسا سخت جان بنا کہ وہ ہر چیز جو حیوانات میں رہ کر کھا چکا تھا۔ کھا کر گزارا کر سکتا ہے اور اس کو شکل ایسی صاف ستھری بغیر لباس کے دے دی گئی۔ جس کو وہ قسم قسم کی بنا سکتا ہے۔ سبزی پر یہ زندہ رہ سکے۔ پھل کھا کر یہ گزارہ کر سکتا ہے گوشت مچھلیاں اور جمادات نباتات، حیوانات رنگا رنگ کے گوشت حتیٰ کہ سانپ تک کا گوشت اس نے نہ چھوڑا اور اناج کھا کر یہ جی لے۔ نفیس سے نفیس پوشاکیں پہنے۔ کھال بوریا پہن کر بھی یہ گزر کر لے۔ اس کا معیار زندگی اونچے سے اونچا اور پست سے پست، بڑی سے بڑی عزت والا۔ ذلیل سے ذلیل ترین کتے کی طرح بھی رہ لے اور شبر کی طرح بھی جی لے اندھا بہرا لولا لنگڑا ہو کر بھی یہ زندگی سے بیزار نہیں ہوتا۔ ہر جگہ رہنے والا نباتات کی طرح حیوانات کی طرح جس طرح نباتات اور حیوانات اسی طرح یہ بھی اونچے سے اونچے پہاڑوں پر اس کی بستیاں یخ بستہ جگہوں یعنی قطبوں تک اس کی پہنچ گرم سے گرم ریتیلے ملکوں کو اس نے نہ چھوڑا۔ گرم ابلے دیش اس سے بس گئے ہر جگہ ہر چیز کھا کر گزارا کرنے والا کہیں تو خوشبوؤں میں رہے تو کہیں نرک میں پڑا ہے۔ جدھر سے گزر جائے اسی کے بھائی انسان ناک پر کپڑا رکھیں یعنی تری

بدبُو بن جانے والا تو کہیں نری خوشبو۔ باقی جانداروں کیلئے جو غذا اللہ تعالےٰ نے مقرر کردی ہے اُس کے سوا۔ ان کے سامنے دوسری خوراک رکھی جاوے تو وہ کبھی اس کی طرف رغبت نہ کریں خواہ بھوک سے مر جاویں۔ بکری کبھی گوشت نہ کھا سکے۔ نہ کبھی شیر گھاس کھا سکے۔ اسی طرح اور خیال کرلیں لیکن یہ اچھے سے اچھے کھانے اور بُرے سے بُرے کھانے ہر بلا کھا کر جینے والا انسان۔ چیونٹی سے زیادہ کمزور، شیر، گینڈے وہیل سے زیادہ طاقتور۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے مکمل روح بنائی تھی جو آسانی سے مر نہ سکے، مٹ نہ سکے۔ اس کو رنگا رنگ کے قالبوں میں رکھ کر اس کی تربیت کی اور ہر طرح کے ہُنر سکھائے اب وہ جس ماحول میں ہوتا ہے۔ جھٹ اپنا سبق اُسے یاد آ جاتا ہے۔ ہر حال میں یہ خوش ہے۔ سخت سے سخت مشقت یہ کر سکے اور کہیں بے حد نزاکتوں میں رہے کہ ہاتھ ہلانا بھی دشوار ہو۔ غرضیکہ ہر حال میں یہ گزارا کر سکتا ہے۔ اس مادی دُنیا میں ہمیں کوئی اور مخلوق ایسی نظر نہیں آتی۔ ساری دنیا کی مخلوق ایک پلڑے میں اور یہ اکیلا ایک پلڑے میں۔ اس انسان میں جہان سما گیا۔

کسی نے مجھے کہا کہ یہ وہ نظریہ ہے کہ روح ترقی کرتے کرتے بندر تک پہنچ کر پھر انسان کے قالب میں سما گئی لیکن

میرے خیال میں یہ غلط ہے۔ بندر میں بھی مجھے زندگی کا ایک ہی ذرہ دکھائی دے رہا ہے۔ اگر وہ روح جو تمام قالبوں میں رہ کر سبق پڑھ کر انسان تک آئی ہے: بندر میں انسان سے پہلے پہنچی ہوتی یعنی بندر کے قالب میں تو وہ کل حیثیت سے انسان کی طرح کا ہی ہونا ایک جسم کے سوا۔ وہ قریباً انسان ہی ہوتا۔ نرا بندر نہ ہوتا۔ لیکن انسان میں تو اس نرے بندر کے سوا ساری کل مخلوق کی روحیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ بمعیت اس بندر کے کون سی مخلوق ہے جس کی روحانی تصویر اس میں نہیں۔ کوئی ایک ہی دکھا دو۔ لیکن بندر میں صرف شرارت ہے درختوں پر آسانی سے چڑھ سکتا ہے ذرا شکل کچھ تھوڑی انسان سے ملتی ہے اور بہت سارے پرندوں سے اس کی زندگی گھٹیا ہے بہت سارے حیوانوں سے کمتر درجہ رکھتا ہے اور پانی کی مخلوق کا اس میں کیا ہوا یہ پانی سے بے حد خوف کھاتا ہے۔ یہ وہ سب غذا جو انسان نے کھائی بالکل نہیں کھاتا۔ یہ صرف پھل کھاتا ہے۔ گوشت کے نزدیک نہیں جاتا۔ اس میں سوائے بندرپن کے اور کچھ نہیں اور انسان میں اس بندر سمیت سب کچھ ہے۔ یہ نہایت اچھا اور نہایت بُرا بن سکتا ہے اس میں ویسے تو خدا نے سب اچھی چیزیں ہی جمع کیں۔ اللہ تعالےٰ انسان میں بُری طاقتیں کیوں بھرنے لگا تھا۔ لیکن اس

قدر طاقتیں اس کے اندر جمع ہو گئیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کو وحی کے ذریعہ ان سب طاقتوں کا استعمال بتانا پڑا۔ اللہ تعالےٰ نے جو وحی کے ذریعہ اپنی مرضی بتائی اور حکم دیا کہ ایسے کرو ایسے نہ کرو۔ دراصل یہ کسی اور زندگی کے لئے تربیت تھی۔ جیسا پہلا سیکھا ہوا انسانی قالب میں پہنچ کر کام آیا اب انسانی قالب میں جو کچھ خدا نے سکھانا ہے وہ ضرور ہے کہ اگلی زندگی جو ابھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اس میں یہ کام آوے۔ بس اللہ تعالےٰ نے سکھایا ان طاقتوں کا صحیح استعمال جو انسان کو عطا ہوئی تھیں وہ اس طرح سمجھ لیں کہ انسان کو بتایا کہ اگر تجھ میں شیر جیسی طاقت ہے۔ تو اس کے ذریعے مظلوم کی امداد تو کر سکیں اُسکی گردن نہ توڑ ظالم کی گردن توڑ دے تا کہ اس کی ایک گردن کے بدلے جو ظالم کی گردن ہے کروڑہا گردنیں بچ جاویں اور ظلم کا طریق مٹ جاوے۔ اسی طرح وحی کے ذریعہ اُس کے لئے راستے مقرر کر دئے کہ ان راستوں پر چلا جا تو تو اپنی منزل کو پالے گا۔ اگر صحیح راستوں کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرا تو منزل بہت دُور ہو جاوے گی۔ ممکن ہے کہ تو نقصان بھی اُٹھاوے نظام شمسی پر غور کرو۔ صحیح راستوں پر جانے والے اتنے بڑے جسیم بھاری بھرکم گولے کیسے محفوظ ہیں۔ وہ خدا کے مقرر کردہ راستوں پر جانے کے سبب کروڑوں سالوں سے سلامت ہیں۔ اگر وہ ایک دن ذرا سا اپنا راستہ چھوڑ دیں تو کرۂ عظیم میں قیامت

برپا ہو جاوے اور یہ سارے جہان ایک سیکنڈ میں ایک اُڑتے ہوئے غبار میں تبدیل ہو جاویں اور سوچئے اگر ایک کار جو اپنی سڑک پر سیدھی جا رہی ہو۔ ان کا ڈرائیور دفعتاً سیدھا راستہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں بغیر کسی سڑک کے موٹر کار کا رخ موڑ لے تو کیا ڈرائیور اور کار کے لئے خطرہ نہیں؟ بس کار یعنی جسم ڈرائیور یعنی روح کی تباہی یقینی ہے۔ انسان کی وحی میں اور حیوان کی وحی میں کوئی خاص فرق نہیں۔ بات اتنی تھی کہ حیوانات میں ہماری روح کے بے شمار ذرّوں میں کا ایک ذرّہ ہر حیوانات میں تھا۔ ادھر صرف ایک ذرّے کو وحی کر دی گئی۔ اس راستے پہ چلا جا اس ہر ذرے کو راستہ دکھا دیا وہ اسی راستے پر چلتا گیا زندہ رہا بچے پالے آخر اُسی تابعداری میں رخصت ہوا۔ جو خوراک اللہ تعالےٰ نے اُس کے لئے مقرر کر دی وہی کھائی نہ تنگ ہوا نہ گھبرایا۔ مقررہ کردہ خوراک کے سوا اس کے سامنے جو کچھ آیا اُس نے اُسے منہ نہ لگایا۔ کتنا تھا تابعدار حیوان اور کیڑے مکوڑے سے لیکر ویل مچھلی ہاتھی تک کل جاندار انسان کے سوا۔ لیکن جب یہ سب ذرّے زندگی کے روح بن کر انسان کے قالب میں داخل ہو گئے۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے کسی اپنی حکمت کے سبب یہ اپنے اپنے راستے پر جانے والے ذرّے انسان کے قالب میں داخل کئے۔ پہلے تو جس راستہ پر اللہ نے اپنی مرضی سے چلا دئے تھے چلے گئے تھے۔ لیکن جب

انسان کے قالب میں روح بنا کر داخل کئے تو ارشاد ہوا۔ کہ اب ان ذرّوں پر تجھے اختیار ہے۔ انہیں اپنی مرضی پر چلا تو اس کے اندر ایک طوفان مچ گیا اور انسان کو اختیار دیا کہ خواہ شیر والے ذرّے کو کام میں لا خواہ بکری بن جا۔ لیکن اس قدر طاقتیں خصلتیں اس کے اندر جمع ہو گئیں لیکن بہت طاقتیں ایک دوسرے کے متضاد تھیں۔ انسان کی روح میں کشمکش ہو گئی۔ کبھی اس کا دل کچھ کرنے کو چاہا تو کبھی کچھ کرنے کو، جو طاقتیں اس کے اندر جمع تھیں، وہ ایسی تھیں کہ اگر اُن کے صحیح استعمال سے انسان کو فائدہ پہنچ سکتا تھا تو اس کے غلط استعمال سے نقصان بھی اُٹھا سکتا تھا۔ اس کے اندر بے شمار طاقتیں داخل کر دیں یعنی سیکھنے پڑے ذرّے۔ لیکن اس کو جسم دیا بالکل سیدھا سادا اور سب طاقتوں کی تکمیل اس کے عین اختیار میں تھی۔ وہ مجبور نہ تھا جس طاقت کو چاہے اپنے استعمال میں لا سکتا تھا۔ اچھا تو جس قدرت نے ہر جاندار کو اس کے رہنے سہنے کے طریقے سکھائے تھے۔ اب اس انسان کو بھی وحی کے ذریعے رہنے سہنے کے طریقے اور سب قوتوں کے استعمال سکھائے۔ یہ تھی اس انسان کی اس دنیا میں آخری ترقی۔ وحی کے ذریعہ اس کو نیکی اور بدی میں تمیز سکھا دی۔ یعنی خیر اور شر کا فرق سمجھایا۔ اس کے سمجھ

میں آجانے کے بعد اس کی جسمانی آنکھوں کے سوا روحانی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اس کو ظاہرہ گندگی سے جیسے نفرت تھی۔ پھر وہ باطنی برائیوں سے بچنے لگا۔ وحی کے ذریعہ اُسے بار بار یہ کہا کہ تو خدا کے کاموں کو دیکھ کر سوچ تو وہ سوچنے لگا اس سوچنے کے سبب کچھ نہ کچھ اس کی روحانی آنکھوں نے اسی مادی دنیا میں دیکھنا شروع کر دیا جو اس کی جسمانی آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھیں وہ روحانی آنکھوں نے دیکھ لیا۔ یہ تھی اس کی تربیت جو روحانی دنیا میں کام آئے گی۔

جیسے پہلے کا سیکھا کام آیا انسانی دنیا میں اب انسانی دنیا کا سیکھا کام آئے گا، روحانی دنیا میں پہلے وہ اتنا ہی پہچاننے لگا تھا کہ اگر اس کے ہاتھ میں خون کا پیالہ دے دیا جاوے اور کہا جاوے کہ اسے پی لو تو وہ کبھی نہ پیئے گا۔ کیونکہ اس کی مادی آنکھیں بالکل مکمل ہو چکی ہیں۔ وہ خون اور شربت کی پہچان کرنے لگی ہیں۔ وہ کبھی خون پسینہ، پاخانہ اور گندگیاں نہ کھا سکے گا۔ یعنی انسان نہ کھا سکے گا، خواہ بھوک سے مر جاوے۔ لیکن اُسے وحی کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔ کہ ایک انسان دوسرے کی مشقت کی کمائی لوٹ لے اور اس دولت سے وہ اچھی غذا کھا کر اپنا خون بڑھا لے اور وہ لٹا ہوا انسان نلواری کے سبب فاقوں سے مرے اور ان کا خون سوکھ جاوے تو اس لوٹنے

والے نے اُس کا روپیہ ہی نہیں لوٹا بلکہ اُس کا خون چوس لیا۔ خون پی گیا۔ اگر کسی زبردست ظالم نے کسی کو زخم پہنچائے اور اس کے زخموں میں پیس پڑ گئی تو اُس ظالم نے مارنے کے سوا ایک پیالہ پیس کا بھر الو پی گیا۔ کسی انسانوں نے اللہ تعالےٰ کا حکم سُنا اور مانا وہ ایسے زہری پیالوں سے بچتے رہے روح کو تندرست رکھا اور قائم رکھا۔ سمجھ گئے اور بعض نے اللہ تعالےٰ کے پکارنے کو نہ سنا وہ اندھے رہے۔ بہرے رہے اور اس کے سبب وہ خون کو شربت کر کے اور پیس کو شہد کر کے پیتے رہے اور جو اُن چیزوں کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے پکارتے رہے کہ نہ پیو یہ شہد نہیں یہ پیس ہے یہ شربت نہیں یہ خون ہے۔ لیکن اندھوں بہروں نے بالکل نہ سُنا۔ اُن کی روحانی آنکھیں اور کان بالکل کام کے نہ تھے۔ وہ بدستور خون اور پیس کے پیالے پیتے رہے۔ لیکن شربت شربت ہے خون خون ہی ہے شہد شہد ہے اور پیس آخر پیس ہی ہے وہ برابر نہ ہو سکتے تھے۔ اُنہوں نے پیا۔ اُن کے جسموں میں فساد ہوا یعنی روح کے رہنے کا گھر گندہ ہوا جیسے ایک انسان غلیظ گھر میں رہے تو خود بیمار ہو جاوے۔ اسی طرح روح کے ٹھکانے کو ایسی چیزوں کے پینے نے گندہ کیا اور اُن کی روحیں زیادہ سے زیادہ بیمار ہو گئیں کچھ وقت اس مادی دنیا میں گزار کر اُن بیمار روحوں کو لیکر اپنے پیدا

کرنے والے کی جناب میں عاجز درماندہ ہو کر حاضر ہوئے تو اب اللہ تعالےٰ نے وہی پیالے پیس کے اور خون کے اور ابلے پانی کے جو کبھی اس نے مظلوموں کو رُلا کر اپنے لئے اکٹھے کر کے رکھے ہوئے تھے۔ اب وہ پیش کئے گئے کہ یہ ہے تمہاری مہمانی اب اس کو کھاؤ پیو۔ اب وہ انسان جو اس مادی دنیا میں مزے مزے سے پیتا رہا تھا۔ جب اس کی روحانی اندھی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا۔ تو اب آخرت میں اس کی وہ روحانی آنکھیں مکمل ہو چکی تھیں اب یہ خوب پہچاننے لگیں۔ اب اس نے دیکھا میرے سامنے پیس کے پیالے ہیں، خون کے پیالے ہیں، گرم اُبلتا پانی ہے اور آہوں کے دھوئیں کے سائبان کے نیچے بیٹھا ہے اُسکی ضیافت اب یہ ہاتھ نہ لگاتا تھا۔ دیکھیے اس کی ترقی کا حال کہ وہ رتی کی بھی ترقی نہیں رکی۔

اب اس کی روحانی آنکھیں کس قدر تیز ہو گئیں، پیس اور شہد میں، خون اور شربت میں پہچان کرنے لگ گئیں۔ اب اس کو سزا دی گئی کہ جو تمہاری مرغوب غذا تھی وہ تم کو دی جاتی ہے پیو۔ وہاں تو تم بڑے مزے سے پیتے تھے۔ اب کیوں نہیں پیتے۔ اب وہ پیالے چڑھانے والا انسان۔ بہت پشیمان تھا۔ خدا کی ناراضگی کا غم اور وہ پیس کے پیالے خون کے پیالے روحانی آنکھوں نے پہچان لئے تھے کہ وہ پہلے بھی

بیتا رہا ہے۔ اب وہی اکٹھی کرکے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے رکھی ہوئی ہے۔ یہ سب مل ملا کر اُس کے لئے بڑے سے بڑا دوزخ تھا۔ اور جن لوگوں نے اپنے پیدا کرنے والے کی پکار کو سُنا اور خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے گئے۔ آج انہوں نے اپنی منزل کو پالیا تھا۔ اب ان کے لئے خوشیاں ہی خوشیاں تسلیاں ہی تسلیاں اور سب سے بڑھ کر اپنے رب کی خوشنودی یہ بڑی سے بڑی جنت تھی۔

بس میرا مقصد صرف اتنا ہی بتانے کا تھا۔ مٹی سے نکلی زندگی تو نباتات میں آئی تو کچھ نہ کچھ ترقی پر تھی پھر حیوانات میں آئی تو پہلی زندگی سے زیادہ ترقی پر تھی پھر انسان میں پہنچ کر اس مادی دنیا میں مکمل تھی۔ یہاں اس کا دور ختم ہوا جب اس مادی دنیا کو چھوڑے گا تو پچھلی بہت زیادہ چیزیں یہیں چھوڑ جائیگا وہ جیسے پہلے حصے میں کچھ نہ کچھ چھوڑتے آئے اور آگے کچھ نہ کچھ اچھی چیزیں اُس کے بدلے میں ملتی رہیں۔ اسی طرح جب یہاں سے جانے لگیں گے تو کچھ چیزیں یہاں چھوڑیں گے۔ اور مادی جسم بھی یہیں کا یہیں رہ جائے گا۔ لیکن کچھ ساتھ بھی جائیں گی جو صرف روح کے لئے ضروری ہیں۔ جو صرف روح کیلئے کار آمد اور اُس کی خوشی کے لئے ہوں گی۔ یہاں تک جو چمڑے کے قالب میں اور گوشت میں روح کو جو تربیت دیتی

تھی وہ ختم ہو گئی۔ اب روحانی دُنیا میں نہ بچے پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی جو دو تین زندگیاں نباتاتی، حیوانی اور انسانی دنیا میں پیدا کرتے چلے آئے ہیں۔ اب یہ انسان اس دنیا میں مکمل ہو گیا اب جو انسانوں کی روحیں اِدھر سے روحانی دنیا کو جائیں گی۔ وہی کافی ہیں۔ وہ مادی دنیا سے ہی نہیں۔ وہ تو روحانی دنیا ہے۔ بس میرا خیال ہے ایک یہ نر و مادہ کا قصہ ختم ہوا یہ ہمارے ساتھ نہ جائے گا۔ اگلے جہان میں۔ جنت میں اللہ تعالےٰ نے کھانا پینا بتایا ہے۔ میوے بتائے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس قسم کا کھانا پینا اگر اس جسم کو چھوڑنے کے بعد کوئی روح کا ٹھکانا ہے تو اس قسم کا کھانا ہرگز نہ ہوگا انسان کو اس کھانے کے لئے بڑی مشقت اُٹھانی پڑی وہ پاک زندگی ہوگی۔ پاک ہی خوشیاں ہوں گی۔ روح کی خوشی کے لئے روح کی ترقی کے لئے کوئی روحانی ہی کھانا ہوگا صرف اس مادی دنیا کے کھانے کا اور اس روحانی دنیا کے کھانے کا اثر ایک ہوگا۔ وہ یہ کہ ایک بھوکا آدمی کھانا کھا کر تسلی پا لیتا ہے اس کی زندگی قائم رہتی ہے وہ مطمئن ہو جاتا ہے بس ایسے اثرات اُس روحانی زندگی میں اُس کھانے سے پیدا ہوں گے یہ مادی کھانا جس کے کھانے کے بعد پھیر حاجت ہوتی ہے اس کو بدبودار پاخانہ بنا کر نکالنے کی۔ ہم اچھے اچھے کھانے

کھاکر اپنے اندر گندگی اُٹھائے اُٹھائے پھرتے ہیں

خدا رسیدہ اللہ کے نیک بندوں نے اس پاخانے سے بڑی نفرت کی، زندہ بھی رہنا چاہا۔ آپ صوفی لوگوں کے حالات پڑھیں ایک کیڑا جسے چنونا کہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سے سفید ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاخانہ میں باریک باریک سے ہلا کرتے ہیں۔ وہ تو ہوئے گندگی کے اندر۔ لیکن انسان کے پیٹ میں وہی گندگی ہوگی تو ضرور۔ بس خدا رسیدہ بندوں کو عقل نہ آئی کہ وہ اس گندگی سے کیسے چھٹکارا حاصل کریں۔ ممکن ہے۔ سائنس کوئی ایسا بھید بتادے کہ انسان رگوں کے ذریعے یا سیال غذا معدہ کے ذریعے سے پی کر ہی اپنی زندگی کو قائم رکھ سکے جس سے پیشاب تو خیر آجاوے۔ پاخانہ بنے ہی نہ۔ صوفیوں کی چلّے کشی اس بات کی شاہد ہے کہ وہ چالیس چالیس دن فاقہ سے بھی رہتے بس تھوڑا سا دودھ ہی پی لیتے اور دن رات جب تک جاگتے رہتے دنیا سے ایک طرف ہو کر بس عبادت (یادِ خدا) میں مصروف رہتے۔ اسی دنیا میں رہ کر بدھ جیسوں نے اچھے اچھے کھانوں کو ٹھکرا کر جنگلوں کی راہ لی۔

بس حقیقی مسرّت کھانے میں ہرگز نہیں بس دیکھنے میں ہے سننے میں ہے، سونگھنے میں ۔ دیکھتے چلے جاؤ نظارے میں

کچھ فرق نہ پڑے گا۔ سونگھتے چلے جاؤ۔ خوشبو میں کمی نہ ہوگی۔
نغموں کو سنتے چلے جاؤ کچھ فرق نہ پڑے گا وہی ایک نغمے کو
ایک انسان بھی اور کروڑہا کروڑ انسان بھی سن سکتے ہیں۔ آج
ریڈیو کی طرف نظر دوڑ لیجئے، ایک باغ میں چلے جائیے ایک انسان
جیسے حظ اٹھا سکتا ہے۔ کروڑوں انسان بھی اس میں سے گزر
کر خوشبو سے حظ اٹھا سکتے ہیں اس طرح کئی نظارے کو کروڑوں
مخلوق دیکھ سکتی ہے۔ دیکھنے سے ان کا کوئی کنارہ جھڑ نہیں
جاتا۔ بس وہ نظارے جوں کے توں رہتے ہیں پھر اصل یہ ہوا
ہینگ لگے نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا آئے کہ ہوا کہ انسان ہل جوتتے
جوتتے پانی دیتے دیتے مر گیا۔ زمین سے کتنی روئیدگی اور سمندروں
سے کتنی مچھلیاں اور کتنی زمینی جانیں انسان کھا گیا اور پھر بھوکے
کا بھوکا۔

بس میرا خیال ہے ہم دیکھیں گے بڑا اچھا دیکھنا۔ ہم سنیں گے
بہت اچھا سننا، ہم سونگھیں گے بہت اچھا سونگھنا۔ دیکھنے کی
مثال بھی سن لیجئے۔ آپ کا ایک بچھڑا ہوا نہایت ہی پیارا دوست
مدت کے بعد اچانک آ کر مل جاوے تو بتائیے کس قدر خوشی
کی بات ہے دیکھنے میں۔ اسی طرح اپنے پیارے کی آواز کان
میں پڑ جاوے جبکہ بالکل امید ٹوٹ چکی ہو۔ کتنی خوشی ہو اس سننے
میں۔ آپ کا نہایت دوست جو خاص خوشبو لگاتا ہو اور کبھی امید

نہ ہو اُس خوشبو کو پھر سے سونگھنے کی اور وہ آجاوے اُس خوشبو کو لئے ہوئے تو بتائیے کہ پلاؤ، زردے، قورمہ، قیمہ یا اور قسم قسم کے کھانوں یا پھلوں کے کھانے سے وہ خوشی حاصل ہو سکتی ہے جو اپنے پیارے بچھڑے ہوئے کے مل جانے سے اُس کی پیاری آواز کے سننے سے اُس کے کپڑوں یا بالوں کی خوشبو سونگھنے سے آہ میری پیاری آمینہ مجھے مل جاوے اپنے خوشبو دار بالوں کے ساتھ اور اپنی پیاری آواز اماں کے ساتھ اور اسے میری آنکھیں دیکھیں مجھے یہ خوشی سب خوشیوں سے بڑھ کر ہو سب کھانوں سے بڑھ کر ہو آہ مجھے اپنی اماں اپنی پوری شکل اور اپنی اس آواز کے ساتھ جیسے پکارا کرتی تھی یہ خوشبیاں میرے لئے خوشیاں ہوں۔ دیکھنے سے، سننے سے۔ باقی اس مادی دنیا میں تو زندگی قائم رہ سکتی تھی۔ کھانے سے اس لئے اللہ تعالے نے مزے مزے دار کھانے، پھل بنائے دئے کہ انسان حیوان سب مخلوق مزے داری کے لالچ سے کھا کر اپنی زندگی کو قائم رکھیں اور انسان کھاتا ہے جینے کے لئے اور اصل جینا ہے جو مکمل انسان ہے تو جیتا ہے دیکھنے کے لئے۔ اسی دنیا میں۔ روح جب غمگین ہوتی ہے تو اُسے صرف یہاں کے کھانے سے ہی نہیں یہاں کی کل ایسی چیزوں سے جنہیں اس جہاں کی نعمتیں کہا جاتا ہے سب سے بیزار ہو جاتی

۷۷۰۴

ہے۔ اُسے صرف اپنے پیارے کے مل جانے میں ہی زندگی معلوم ہوتی ہے۔ ایک پنجابی کا گیت ملاحظہ فرمائیے:۔

رانجھا ملے تاں میں جیواں نی مینوں کوئی دس جائیو

رانجھے دا ڈیرا نی مینوں کوئی دس جائیو

نی اڑیو مینوں کوئی دس جائیو

رانجھے دا ڈیرا نی مینوں کوئی دس جائیو۔۔۔

یعنی

میرا پیارا مل جائے تب میری زندگی ہے

مجھے میرے پیارے کے رہنے کی جگہ کوئی بتلاوے

کوئی بتادے۔ اداری او کوئی بتا دے

کوئی بتادے۔ میرے پیارے کے رہنے کی جگہ

کوئی بتادے وہ ملے ہی تو میری زندگی ہے

اب وہ یہ کھانا کھا کر بھی اپنے کو مردہ تصور کر رہا ہے پھر یہ کھانا روحانی دنیا میں کب زندگی بخشنے والا ہوا۔ وہاں کے کھانے کا نتیجہ ہو گی۔ روحانی زندگی۔ اطمیناں روح۔ لیکن ہم اس کھانے کو تصورات میں نہیں لا سکتے۔ کہ وہ کھانا کیا ہوگا۔ اب جب انسان ہوا میں اڑنا نہ جانتا تھا تو اس کی خواہش تھی کہ میرا اڑن کھٹولا ہو یعنی پلنگ ہی ہو۔ بس اڑنے لگے یا خواہش تھی کہ قالین ہی اڑنے لگ جائے یا میرا گھوڑا

ہوا اڑنے والا یا رکھتا ہو۔ اڑنے والی جس میں بیل جتے ہوں یا کوئی ایسی گاڑی ہو جو ہوا میں اڑے اور اس کے آگے ہرن یعنی بارہ سنگھے جتے ہوں اس کی تصورات کی دنیا میں کبھی آج کے ہوائی جہاز کی شکل نہ آئی۔ اسی طرح ہم اگلے جہان کے کھانوں کو اس جہان کے کھانوں کی طرح سمجھ بیٹھے ہیں۔ جب وہ سمجھ میں آئے گا تو وہ اس جہان کے کھانوں کی طرح بالکل نہ ہو گا اس کھانے میں اور اُس کھانے میں ضرور فرق ہو گا۔ یہاں کی خوشیوں اور تسلیوں کی طرح وہاں بھی روح کو اطمینان اور خوشی ہو گی۔ لیکن ہم اُن اسباب کا اندازہ نہیں لگا سکتے جن سے وہ خوشی ہمیں ہو گی۔

اب اس دنیا میں ہم نے تسلی اطمینان کے بھی دو رنگ دیکھے لئے پہلے ہمیں اپنی ماں کی گود خوشیوں تسلیوں کا خزانہ تھی۔ ہم خیال میں بھی نہ لا سکتے تھے کہ اس کو چھوڑنے کے بعد دنیا میں کسی اور خوشی و تسلی کو پا سکتے ہیں۔ لیکن ماں کے ہوتے ہوئے ہم آہستہ آہستہ ماں کی گود سے علیحدہ ہوتے گئے۔ آخر ایک دن ہم ایک دوسری ہی تسلی کو حاصل کر چکے تھے۔ ہم نے پھر یہ سوچ لیا کہ یہ ہے خوشیوں تسلیوں تسکین کا سبب لیکن پھر ہم بچوں کے لئے خوشی تسلی تسکین ملنے کے بعد ہمارے لئے کوئی تسلی نہ اطمینان رہا۔ جیسے وہ

ہماری تسلی اُڑ کر بچوں کے سینوں میں جا بیٹھی۔ روح پھر ایک دفعہ بےچین سی رہنے لگی۔ اب ہمیں کیا پتہ کہ اس روح کی بےچینی کو قدرت کس طریقے سے دور کر کے اس کو خوشیوں، تسلیوں سے بھر دے گی۔ اس مادی دنیا کی ہر ایک چیز عارضی تھی۔ لیکن جو اس زندگی کے بعد ہمیں تسکین راحت مل جائے گی وہ عارضی نہ ہوگی وہ ہمیشگی کی تسکین جو ہوگی وہی جنت ہوگی۔ بس وہاں ایک یہ نر و مادہ کا قصہ نہ ہوگا نہ ہی یہاں کی طرح کا کھانا پینا ہوگا۔ یہاں ہم کھاتے ہیں زندہ رہنے کے لئے، زندہ رہتے ہیں۔ دیکھنے کے لئے اک آنکھ دی کہ اس سے تو جلوے ہزار دیکھ اور ممکن ہے کہ اس جسم کی وہاں ہمیں ضرورت نہ ہو۔ ہمیں جب اس دنیا میں بھیجا گیا یا اُتارا گیا تو ہمیں حس احساس دیکھنا، سننا سونگھنا، چکھنا اور بولنا یہ سب آلات دے کر اُتار دیا۔ جو آلات ہمیں دیئے گئے۔ اُنہوں نے ہمیں اس دنیا میں بڑا کام دیا ہم اُن کی مدد سے ہر چیز کا احساس کرتے ہیں۔ اپنی مرضی دوسرے پر ظاہر کر سکتے ہیں۔ دوسرے کی سُن سکتے ہیں۔ اس آنکھ سے ہم نے جلوے ہزار دیکھے اور زبان نے کروڑہا کروڑ مزے چکھے جیسے یہ کل کائنات اس دن کی منتظر ہی تھی کہ ہمیں کوئی سونگھنے والا ہو۔ ہمیں کوئی چکھنے والا ہو ہمیں کوئی دیکھنے والا ہو۔ ہمیں کوئی سننے والا ہو۔ آخر انسان اس دنیا میں آگیا۔ اس

نے دیکھا اس نے سنا اُس نے نعمتوں کو چکھا اُس نے خوشبو سے بھی حظ اٹھایا۔ پھر اُس نے اپنے بنانے والے اور کل کائنات کے بنانے والے کی تعریف میں سبحان اللہ کا کلمہ کہا۔ اس کے کہنے سے اس کی زبان پاک ہوئی اور خدا پاک نے بنایا تھا۔ بندے نے دیکھا سنا، چکھا، سونگھا۔ کتنا ہے مہربان ہمارا مولا ہمارا آقا، ہمارا خالق۔ اُس نے انسان کو بنایا کہ وہ اس کی کاریگریاں دیکھے پھر اُس سے ملنے کی آرزو کرے اور پھر وہ ہمیشہ کی تسلی حاصل کرلے۔ اگر انسان نہ بنتا، نہ دیکھتا، نہ سونگھتا، نہ سنتا نہ بولتا، نہ چکھتا تو پھر اس کی کاری گری کو کون دیکھتا۔ بس پھر یہ سب کچھ کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر تھا۔ اس دنیا میں جن کو ان الات سے محروم رکھا جن کو سننے کے آلہ سے محروم رکھا یا دیکھنے کے آلہ سے محروم رکھا۔ باوجودیکہ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ سورج کی چمک ہے لیکن ایک اندھے کے لئے سورج کی چمک دنیا کی چیزوں کی خوبصورتی اور اس کے پیاروں کی شکلیں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتیں اُس سے پوچھو کہ دنیا کیسی ہے تو وہ کہے گا کہ اندھیری گھُپ اسی طرح باوجودیکہ کان والوں کو پتہ ہے بادل کی گرج، میٹھے الفاظ دل کو تسلی دینے والے ترش الفاظ دل کو دُکھا دینے والے اور راگ میٹھے نغمے ہزاروں قسم کی بے شمار آوازیں لیکن ایک پیدائشی بہرے کو کچھ پتہ نہیں کہ آواز ہے ہی کیا

اِس کو اِس کا کوئی احساس تک نہیں دلا سکتا۔ حالانکہ ہمیں خدا نے یہ آلات دے کر ان چیزوں کے احساس دلائے۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ اور انسان بیچارا یہ پانچ چیزیں لے کر ایسا جامہ سے باہر ہُوا اس نے سمجھ لیا کہ میں نے سب کچھ دیکھ لیا سب کچھ سن لیا۔ لیکن سوچنے والو سوچو کہ جیسے ایک بہرے کو آواز کا پتہ نہیں اور اندھے کو روشنی کا پتہ نہیں۔ حالانکہ وہ ہے تو کیا معلوم کہ ان چیزوں کے سوا ہمارے ہی گرد و پیش کیا کچھ ہو۔ جس کو محسوس کرنے کے آلات ہمیں نہ دئے ہوں۔ جس قدر اُس کی مرضی ہوئی دکھا دیا۔ جتنا چاہا چھپانا ہم سے چھپا لیا۔ تو اس دنیا میں ہمیں اللہ تعالےٰ نے ایسے جسم سے اتارا جو ہمارے لئے کار آمد تھا۔ دے دیا۔ ہمیں کیا معلوم جہاں ہم جانے والے ہیں وہاں یہ کار آمد بھی ہو گا کہ نہ۔ آپ خیال کریں کہ جب بندے کو سمندر میں اُتارتے ہیں تو اس کو ایک ربڑ کا لباس پہنا دیتے ہیں کہ اس پہ پانی کا اثر نہ ہو ایک لمبی سی سونڈ جیسی نالی اس لباس میں ہوتی ہے جو اس کے منہ کو لگی ہوتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس کے ذریعے وہ ہوا کو حاصل کرتا ہے اس کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے عینک کی طرح لباس میں ہی جڑے ہوئے شیشے ہوتے ہیں۔ جن کی مدد

سے وہ پانی کی چیزوں کو اچھی طرح سے دیکھتا ہے اس کے کانوں میں وائرلیس کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے جس سے وہ آوازوں کو سنتا ہے اُس کے بوٹ بے حد بھاری ہوتے ہیں کہ وہ سمندر میں آسانی سے اُتر سکتا ہے۔ جب وہ اپنا کام پانی کے اندر ختم کر لیتا ہے تو اس کو کنارے پر کھینچ لیا جاتا ہے تو وہ لباس اس کو وبال جان معلوم ہوتا ہے۔ جو تھوڑی دیر پہلے اُسے ہر طرح کا آرام پہنچانے والا تھا۔ لیکن وہ کنارے پر پہنچتے ہی اُسے اُتار پھینکتا ہے اور اپنی جان کو آزاد کر لیتا ہے۔ ہم اس دنیا سے جانے لگتے ہیں تو یہ لباس یہیں پھینکتے ہیں۔ پیچھے رہنے والے بندے اس لباس کو گڑھا کھود کر اس میں آرام سے رکھ کر اوپر مٹی ڈال کر دبا دیتے ہیں۔ اگر اسی طرح کا جسم ہمارے لئے موزوں ہوتا ہوتا تو ہم اس جسم سمیت غائب ہو جایا کرتے۔ لیکن یہ جسم اس دنیا کے لئے موزوں تھا جب بلاوا آیا ہم جھٹ یہ جسم اُتار کر پھینک دیتے ہیں اور خدا جانے کس دوسری دنیا کو بھاگ جاتے ہیں وہاں ہمیں اُس دنیا کے مطابق اور جسم مل جاتے ہوں گے۔ پس کیا معلوم ہمیں وہاں کیسے جسم ملیں گے لیکن ملیں گے ضرور اس سے بہتر ہی کیونکہ ہمارا ہر قدم ترقّی کی طرف ہی ہے۔ یہاں ہم نے تین ترقیاں تو اپنی ان آنکھوں

سے دیکھ لیں۔ بس کھانا بھی اُس دنیا کے مطابق ہی ہو گا۔
بس میں نے سوچا ہمارا مرنا جینا کچھ خدا کی مرضی ہے۔ وہ
پیدا کرتا ہے مارتا ہے لیکن روح نہ مرتی ہے نہ سوتی ہے نہ
اُونگھتی ہے نہ تھکتی ہے۔ اگر مشقت اُٹھانے والا انسان
کام کرتے کرتے تھک کر بیٹھ جاتا ہے دم لینے کے لیے
تو روح انتظار میں ہوتی ہے کہ کب جسم کی تھکن اُترے تو
میں کام کروں۔ وہ صرف جسم ہی تھکتا ہے روح نہیں تھکتی
اگر روح بھی تھک جاتی تو جسم کی تھکن اُترنے کے بعد روح
کام کے لئے ہرگز نہ تیار ہوتی۔ سو روح مرتی بھی نہیں۔
صرف اس کو ایک مقام سے دوسرے مقام میں لے جایا جاتا
ہے۔ تربیت اور ترقی کے لئے تو روح کو اس مقام کے
مطابق اور جسم دے دیا جاتا ہے جسے ہم غلطی سے موت کہنے
لگے ہیں وہ جسم کی موت ہوتی ہے۔ روح کی موت نہیں
ہوتی اور اس جسم میں ہی ہمیں جو تربیت دی ہے۔ جسم کے
متعلق اب اس کا تھوڑا سا حال سنئے جو آئندہ کام آنے والی
ہے۔ اب اس دنیا میں آنکھ دی دیکھنے کو، کان دئیے سننے
کو۔ ناک دی سونگھنے کو زبان دی چکھنے کو اور باتیں کرنے
کو ہم پھیپھڑوں سے زور کے ساتھ ہوا گلے کے راستے نکالتے
ہیں پھر جو آواز کی صورت اختیار کرتی ہے پھر ہم زبان ہِلاتے

دانت ہونٹوں کی مدد لے کر اس آواز کو الفاظ کی شکل دے کر باتیں کرتے ہیں اور ناک سونگھتی ہے اور آنکھیں دیکھتی ہیں۔ لیکن کسی وقت جب ہم چپ خاموش لیٹتے ہیں۔ آنکھیں بند کرکے تو کیا ہم اس زبان کی اور ہونٹوں کی مدد کے بغیر اور تالو اور دانتوں کی مدد کے بغیر اور ہوا آواز کی مدد کے بغیر کس قدر پورے تلفظوں سے لگاتار باتیں کرتے ہیں۔ اس وقت نہ ہی ہماری زبان ہل رہی ہوتی ہے۔ نہ ہونٹ ہل رہے ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ ہمارے سارے اعضاء ساکت ہوتے ہیں۔ ہم باتیں کرتے ہیں جواب سنتے ہیں۔ پرانی گزری ہوئی باتیں یاد کرتے ہیں سنتے ہیں۔ مزے لیتے ہیں ہنستے ہیں روتے ہیں گانے نئے پرانے سنتے ہیں خود گاتے ہیں اور تصورات کی دنیا میں کئی محل بناتے ہیں گراتے ہیں۔

ہماری آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ کان بند ہوتے ہیں ہم آوازیں سنتے ہیں۔ شکلیں دیکھتے ہیں۔ ہم مزے چکھتے ہیں۔ چٹخارے لیتے ہیں اور بعض وقت ہم خوف سے چیخ بھی اٹھتے ہیں پھر اسی دنیا میں ہماری روح نے کس قدر ترقی کر لی۔ اب وہ آہستہ آہستہ سیکھ رہی ہے بغیر اس جسم کے سب کچھ کرنا۔ خواب میں اس جسم کے آرام سے پلنگ پر لیٹے

ہونے کے باوجود روح سب کچھ کرتی پھرتی ہے۔ اڑتی ہے اور خبر نہیں کہاں کہاں جاتی ہے۔ وہ جسم کے ساتھ پلنگ پر آرام سے نہیں سوتی ادھر جسم سو گیا، روح نکل گئی۔ سیر کرنے اور جب اس جہان میں اس نے یہ کچھ کرنا سیکھ لیا تو اگلی دُنیا جہاں ہم جانے والے ہیں وہاں اور زیادہ صفائی سے وہ سب ایسے ہر ایک کام جو وہ یہاں اس جسم کی مدد سے انسان کرتا ہے وہ اگلے جہاں میں اور زیادہ صفائی سے ایسے جسم کے بغیر کر سکے گا۔

ذرا چھوٹی سی بات ہے۔ آپ منہ سے آواز نکال کر اور اس کو موڑ توڑ کر باتیں کرتے ہیں۔ گویا کہ باتیں کرنے کے لئے منہ زبان، حلق کی پھیپھڑوں میں سے ہوا کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے بغیر بات ہو ہی نہیں سکتی۔ تو اب ذرا گراموفون کے ریکارڈ کی طرف دھیان دیجئے۔ ایک مصالحہ سے بنی ہوئی پلیٹ یا ریکارڈ ہے تو نہ اُس کا کوئی حلق ہے نہ زبان نہ ہونٹ نہ تالو بس سوئی رکھ دیجئے باتیں تو کیا اس سے اچھے اچھے گانے سن لیجئے۔ لیکچر سن لیجئے۔ طبلہ ہر ساز پر دھنیں اور کئی قسم کے باجے کیا ہے جو ایک ریکارڈ میں سے ہی آپ نہیں سن لیتے۔ اور تو اور کیا عرض کروں۔ سب سے بڑی بات

ہے کہ خود اللہ تعالےٰ کو آج تک کسی پیغمبر نہ کسی رسول نہ ہی نبی، نہ کسی ولی، نہ کسی رشی، نہ کسی منی نے نہ ہی کسی بھی مذہب کے بندوں نے آج تک یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے اللہ کو کسی جسمانی شکل میں دیکھا ہے۔ ہاں اللہ سے باتیں کیں۔ یہ کئی پیغمبروں نے دعویٰ کیا ہے کہ اُن سے خدا باتیں کرتا تھا۔ بس آواز اس کان میں آتی تھی کہ کسی مخفی کان میں آتی تھی۔ لیکن سب کسی کا یقین ایمان ہے کہ اللہ ہے تو ضرور وہ ہر جگہ ہے۔ لیکن ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے اور ہندو مذہب میں ایک مانی ہوئی بات ہے کہ اللہ کی آنکھیں نہیں لیکن وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس کی ناک نہیں لیکن وہ سب کچھ سونگھتا ہے۔ اللہ کے کان نہیں لیکن وہ سب کچھ سنتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ نہیں لیکن وہ کل عالموں کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کی زبان نہیں لیکن وہ بولتا ہے۔ اُس کے پاؤں نہیں لیکن وہ چلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے عقل کے اندھوں نے جو مہادیو بنایا یعنی سب سے بڑا خدا اس کو بیضوی شکل کا پتھر بنا دیتے ہیں۔ نرا پتھر۔ اس شکل کا پتھر ہم نے شنکر اچارپر بھی دیکھا۔ کشمیر میں اور دیوتاؤں کی صورتیں رنگا رنگ کی بناتے ہیں۔ کوئی ہاتھی کے منہ والا۔ کسی کے کئی ہاتھ کسی کو کیسا، کسی کو کیسا جو جو اُن

ہیں صفتیں تھیں۔ ویسی ہی ان کی شکلیں بناتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی کوئی شکل نہیں بناتے وہ اتنا عالیشان ہے کہ اس کی بڑائی کا اندازہ انسان نہیں لگا سکتا۔ اس سارے عالموں کو جن کو یہ مادی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں۔ حالانکہ روحانی دنیا اس سے بھی عجیب تر ہوگی۔ جو کچھ آنکھوں کے سامنے یہ مادی جسم دیکھ سکتا ہے انسان اس سے ہی اندازہ لگائے کہ وہ کیا ہوگا ہم تو خیال میں لا ہی نہیں سکتے۔ ان عقل کے اندھوں نے اسے صرف ایک بیجان پتھر کی شکل میں دکھایا۔ جس میں نہ منہ نہ زبان، نہ آنکھ، نہ کان، نہ ناک، پہلے دنیا ذرا آج سے کم سیانی تھی۔ اس لئے ان کو سمجھانے کو شاید ایسا کہا ہو یا کسی پیغمبر نے سمجھایا ہو کہ اللہ تعالےٰ کو آج تک کسی بھی شکل میں کسی نے نہیں دیکھا اور وہ ہر جگہ موجود بھی ہے اس کا کارخانہ بغیر کسی رکاوٹ کے چل رہا ہے وہ ہمارے جیسا نہیں یعنی شاید وہ کوئی طاقت ہی طاقت ہے وہ مادی جسم نہیں نہ ہمارے جیسی اس کی آنکھیں گوشت کی بنی ہوئی نہ وہ ہمارے جیسے کان نہ ناک، نہ ہی دوسرے اعضا اگر ایسا ہوتا تو وہ پھر ان چیزوں کا محتاج تھا۔ گلے، تالو کا زبان کا ہاتھوں کا، پاؤں ہر عضو کا لیکن سبحان اللہ

اور وہ ہے بے نیاز الٰہی سب محتاج اسی دے

اوہ محتاج کسی دا ناہیں ملک تے راج اُسی دے

عقل والو ہم جو انسان کھلونے کا بنانے ہیں تو ہماری پوری کوشش ہے کہ ہم بالکل ویسا ہی بنا ڈالیں۔ سو ہمیں اُس اللہ نے بنایا۔ ممکن ہے اس کی مرضی ہو کہ وہ چھوٹے پیمانے پر اپنے جیسا ہی بنا ڈالے۔ تو پھر جب خدا جسم نہیں رکھتا۔ تو پھر تم اس جسم پر کیوں جم کر بیٹھ گئے کیوں نہ تم بھی ایک نور کی کرن ہو جاؤ۔ جو دیکھے، سُنے، سونگھے، ہر جگہ آسانی سے اُڑتی پھرے اور سب حظ اُٹھاتی پھرے اُس کی روحانی دنیا میں اس کے لئے سب اسودگیاں ہوں روح کے اطمینان اور تسلّی کے لئے۔

ایسا جسم بڑھنے والا گھٹنے والا، بیماریوں والا پھر بوڑھا کمزور ہو جانے والا۔ پھر مر جانے والا۔ کیا ایسے بھاری بوجھل بیمار مر جانے والے جسم سے ابھی تک بھی نفرت نہیں۔ کیوں جی چاہتا ہے کہ پھر ایسے ہی جسم ہوں۔ خدا ایسے جسم سے بچائے۔ امین تم امین ؑ اور پھر دیکھو اللہ اپنی کس بات میں بڑائی فرماتا ہے۔ کہہ دو اللہ ایک ہے بے نیاز ہے، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے وہ کل کا اکیلا مالک ہے۔۔۔۔ بتاؤ بڑائی کس بات میں ہوئی ہر قسم کی حاجت مندی اور بال بچوں کے بکھیڑے اور کھانے پینے کی محتاجی

بس محتاجی ہی محتاجی، جس دن یہ محتاجی مٹی سمجھو کہ اہل جنت
میں داخل ہو گئے۔ روحانی دنیا کے جسم بہتر جسم کئی ہونگے۔
کیونکہ ہمیں تھوڑا سا احساس اس دنیا میں بھی دکھا دیا گیا
دیکھئے وہ سارے کام ہم نے اس سیدھے سادھے جسم کے
ساتھ کئے جو جو کام ہم پہلے کروڑوں قسم کے جسموں میں
رہ کر کر چکے تھے۔ لیکن جب وہ ساری روحیں یا ذرّات زندگی
روح کی صورت میں انسان کے قالب میں آگئی تو دیکھئے اِن
جسموں سے لیکر بڑے سے بڑے جسموں کے بغیر
انسان نے وہ سب کچھ کر لیا اُن جسموں کے بغیر جو پہلے اِن
جسموں کی مدد سے کرتا رہا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر آئی
ہوں ان جسموں کی طاقت سے بھی زیادہ طاقت کے اس نے
کام کئے۔ بڑی بڑی مشقت اُٹھائی۔ آج کسی کارخانہ میں چلے
جائیے۔ پھر انسان کی طاقت کا اندازہ لگائیے۔ ریل کی
طرف نظر دوڑائیے کہ یہ بوجھ کبھی کسی جاندار نے اُٹھائے
ہوں گے اور کبھی وہ اس قدر دوڑا ہوگا تیز اور اسی طرح
کل مشینری کی طرف نظر دوڑائیے اور اس کے اسلحہ کی طرف
ذرا دھیان دیجئے کوئی حیوان اس کا مقابلہ کر سکتا ہے کیا
اور کبھی کوئی پرندہ اپنے پروں پہ اس قدر بوجھ لیکر اڑا
ہوگا جو انسان لیکر اُڑ گیا اور کوئی سمندر میں اس طرح آزادی

سے سمندر کے سینہ پر دندنایا ہوگا اور غوطہ خور کشتیوں کی طرف نظر دوڑائیے اس کی وائرلیس ٹیلی ویژن کی طرف نظر دوڑائیے اور کل سائنس کی ایجادوں کی طرف دھیان دیجئے کیا کیا عرض کروں جیسے پہلے حیوان سے ترقی کر کے انسان بنا تو اس نے یہاں ایسے کارہائے نمایاں کئے تو یہاں سے جانے کے بعد خدا جانے یہ اللہ تعالےٰ کا بنایا ہوا انسان کیا کچھ کرے اور کہاں تک پہنچے کیا معلوم کہ کبھی اس حد تک اللہ تعالےٰ اس کو بھی پہنچا دے کہ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی مرضی کے اندر رہ کر کن کہے اور ہو جاوے جہاں تک اللہ کی مرضی ہو۔ ادھر اس دنیا میں بھی کن کا ظہور معلوم ہوتا ہے۔ بجلی کے ذریعہ کام لینے کی طرف دھیان کریں۔ یہ تو ایسے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے انجن انسانوں نے گھوڑوں کی طاقت کے بنائے، فلاں انجن ۱۰ گھوڑے کی طاقت کا تو فلاں سو کا فلاں ہزار کا اسی طرح معلوم نہیں انسان کس قدر طاقت سے بنایا گیا اور اس میں ہر زندگی کے نرالے لاتعداد خدمات زندگی داخل کر دئے گئے۔

اللہ کے کام دیکھ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے ہر چیز کے بیج میں ہی سب کچھ چھپا دیا ہوا لگتا ہے۔ جب وہ بیج سے نمودار ہوتا ہے تو بس کن کا ظہور ہی لگتا ہے کہ بغیر کسی کاریگروں کے کٹے کٹائے پھول بغیر کسی کے رنگنے کے رنگ رنگائے خوشبودار

اور پکے پکائے کھانے بغیر کسی باورچی کے اور برتنوں کے نہایت ہی لذیذ خوشبودار یعنی پھل میوے رنگارنگ کے ایک سے ایک مزے میں بڑھ کر اور انڈوں میں سے، حیوانوں میں سے، انسانوں میں بنے بنائے بچے پورے کے پورے نہ کوئی بناتا نظر آتا ہے۔ اپنے آپ بنے جاتا ہے، خاموشی سے اور پھر پھولوں پر اڑنے والی تتلیاں بھی پھولوں جیسی ہی بنادیں جیسے پھولوں کی پتیوں میں ہی جان پڑ گئی ہو اور اڑنے لگی ہوں۔ اور یاقوت ترقی کرکے انار بن گئے، میٹھے رسدار اور شام اور صبح کے نظاروں پر غور کرو آسمان سے لیکر زمین تک ایک بڑی خوبصورت تصویر بن جاتی بغیر کسی مصوّر کے ظاہرہ طور پر بنانے کے۔ سب کچھ کس قدر خاموشی سے ہو رہا ہے نہ شور نہ شرابہ بغیر ہاتھ ہلائے سب کچھ بنتا ہے اور اتنے بڑے گولے سورج زمینیں اس قدر تیزی سے گھوم رہے ہیں اور نہ اُن کو گھمانے والا کہیں نظر آتا ہے نہ کوئی ظاہرہ آنکھ کے لئے سامان ہیں۔ اُن کو گھمانے کے بارش اور پانی کو ذخیرہ کرنے کے طریقوں پر غور کرو کس طرح بغیر ہاتھ ہلائے سمندروں کے سمندر بخارات کی صورت میں اُڑا کر سارے جہاں کو اللہ تعالےٰ باران رحمت سے سیراب کرتا ہے اور اس کے علاوہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بغیر کسی قسم کے ٹینکوں کے برف جما کر پانی کو اللہ تعالےٰ ذخیرہ

کردیتا ہے پھر تمازت (گرمی سورج) آفتاب سے پانی بنا کر خشک
میدانوں کی طرف ندی نالوں کی صورت میں دریاؤں کی صورت میں
بھیج دیتا ہے پس اللہ کی صفتیں ختم نہیں ہوتیں خواہ سارے
سمندر سیاہی بن جائیں اور سارے درخت قلم۔ ایسے ہی اور
مدد کو لائے جائیں تو کم ہیں ۔ میرا پروردگار عزت والا ۔ اور
انسان دوسرے سیاروں میں جانے کی کوشش کر رہا ہے ۔
ممکن ہے بہزار دقت پہنچ جاوے ۔ لیکن کیا معلوم اللہ
تعالےٰ ایسے ہی مینہ بارش کی طرح اور کتنی روحوں کو ادھر سے
اٹھا کر بغیر ہاتھ ہلائے صرف کن کے ذریعے دوسری دنیاؤں میں
میں اُن کا نزول فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنایا۔ کیا
معلوم اس کو کہاں تک پہنچانا ہے ۔ لیکن یہ سب کچھ بالکل خاموشی سے
ہو رہا ہے ۔ ایک بزرگ نے مجھے کہا کہ گھڑی کا حال، بندے
کا حال ایک ہے چلتی رہی چلتی رہی بند ہو گئی تو بند ہو گئی میں نے
کہا نہیں جناب انسان گھڑی کی طرح بالکل نہیں گھڑی میں روح
نہیں نہ یہ اپنے حال کسے سنا سکتی ہے، نہ بول سکتی ہے۔ اس
بزرگ نے کہا کہ اگر اس کو کوئی زبان لگا دیگا تو بولنے بھی لگے۔
اس کو زبان نہیں لگائی کسی نے۔ میں نے کہا کہ بول ضرور پڑے گی۔
سب کچھ کرے گی۔ گھڑی سے زیادہ بولنے والی کام کرنے والی
مشینیں اس دنیا میں ہیں جو انسان نے بنائی ہیں لیکن پتہ ہے

انسان اس علم والے خدا کا بنایا ہوا ہے۔ گھڑی ایک انسان
جو خود بنایا گیا ہے اُس کی بنائی ہوئی ہے۔ ایک برابر نہیں
ہو سکتی۔ یہ ذراسی بات ہے۔ اگر آپ سوچیں انسان کے اور
اللہ تعالےٰ کے بنانے میں بہت فرق ہے انسان بناتا ہے
یہ بھی خدا کی ہی قدرت ہے عقل حیران ہوتی ہے دیکھ کر
جو اُس نے بنایا۔ لیکن پاک ہے میرا رب عزت والا اُس کا بنانا
اور انسان کا بنانا ایک جیسا نہیں۔ کتنی چیزوں کی انسان کو
ضرورت ہوتی ہے۔ کتنی چیزوں کا وہ محتاج ہوتا ہے۔ جب
اُس نے ایک چیز تیار کرنی ہوتی ہے پھر وہ بڑی مشکلوں
سے ایک چیز تیار کرتا ہے پھر وہ کچھ عرصہ رہ کر ختم ہو جاتی ہے
لیکن خدا پاک کی کل کائنات بندے میں سے بندے، پرندوں
میں سے پرندے، حیوانوں میں سے حیوان، کیڑے مکوڑے
درختوں میں سے درخت، نباتات میں سے نباتات اس طرح
کل جانداروں میں سے جاندار۔ یہ بیج کا طریقہ کتنا عجیب ہے۔
گھڑی ایسی بننے سے رہی، نہ تو یہ بچے ہی دے سکتی ہے نہ
انڈے، نہ ہی اس میں بیج لگتے ہیں کہ اُن کو بو دیا جاوے
تو درخت اُگ آئے گھڑیوں کا پھر اس میں پھول آ دیں اور
اس کے بعد پھلوں کی صورت میں گھڑیاں لٹکیں، وہ سن کر ذرا
حیران ہو گیا۔ بس خدا کا بنانا عجیب ہے۔ جب ہماری سمجھ

میں یہ نہیں آتا تو اور کیا آئیگا۔ لیکن میری پیاری آمینہ کی جدائی نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا۔ میں نے سوچا۔ خدا نے جو کارخانہ بنایا ہے اور قرآن شریف میں جو بشارت دی ہے کہ اچھوں کے لئے جنّت اور بُروں کے لئے دوزخ ہوگی۔ یہ سب سچ ہے ہر ایک جاندار ترقّی کرنے والا ہے یہ چار مراحل تو زمین نباتات حیوانات، انسان۔ یہ تو ان آنکھوں نے بھی دیکھ لئے۔ اگلے مراحل بھی اس کی کڑیاں ہی ہونگی۔ اور آگے سے آگے روح ترقی ہی کرتی چلی جائے گی۔ وہ ہم تو کبھی دیکھیں گے اور اس ترقی کو کبھی جاکر حاصل کریں گے۔ لیکن میری پیاری آمینہ پر ہزاروں سلام ہوں اُس نے اپنی سُبک رفتاری سے اس ترقی کو جا بھی لیا۔ اس زندگی کے بعد یہاں سے چلے جانا بالکل دُکھ کی بات نہیں۔ لیکن انسان نے اس دنیا میں اپنے اس عارضی تعلقات کو اتنا اہم سمجھ لیا ہے۔ غلطی سے جب اپنا پیارا عزیز جُدا ہوتا ہے تو بے حد دُکھ ہوتا ہے اور یہ دُکھ اتنا کچھ سمجھ لینے اور سوچنے کے بعد بھی اسی طرح تازہ رہتا ہے اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

اچھا تو ہاں میں نے حیوانات کی کل روحوں کو انسان کے قالب میں کچھ چند دلائل کے سبب پہنچ جانا ثابت تو کر دیا۔ اتنا سمجھانا باقی رہ گیا کہ یہ اچنبے کی بات بالکل نہیں کیونکہ جب انسان کے لئے خوشخبری ہے کہ اس موت کے بعد جو اس

دنیا میں انسان پر وارد ہوتی ہے پھر انسان کو موت نہ آئے گی - یعنی پھر انسان اس موت کا مزا نہ چکھے گا - اس مادی دنیا میں درخت بھی مرے، حیوانات بھی مرے - لیکن جب انسان بنا جب مرا تو پھر اللہ تعالےٰ نے تسلی کر دی کہ اس کے بعد اب انسان کو موت نہ آئے گی سو واقعی ایسی موت کے بعد اس دنیا میں کسی اور مخلوق کی موت نظر نہیں آتی۔ اور امید ہے بلکہ یقین ہے کہ انسان کی روح جس جہاں میں بھی پہنچے اُسے موت کے بعد جو اس جہاں میں اس پر آ چکی پھر نہ آئے گی - تو موت کس قدر بھیانک چیز تھی - انسان نے اس موت کو کس قدر برا منایا - انسان کو مرجانا بالکل اچھا نہ لگا - وہ اپنے کسی عزیز کے مرجانے سے کس قدر افسردہ ہوا، اداس ہوا اور اپنی اس زندگی میں پوری زندگی اس کی آنکھیں روتی رہیں، آہیں بھرتا رہا - باوجودیکہ اِس کو وحی کے ذریعہ سمجھا بھی دیا کہ صرف تمہارے جسم مرتے ہیں تم نہیں مرتے تم اسی کے ہو اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو - تو کیا اللہ پاک کو اپنی سب مخلوق میں سے انسان ہی اس قدر پیارا ہوا کہ اس کے لئے اچھے کھانے اچھا پہننے کو اور وہ یہاں بھی اللہ کی قدرتوں سے بہت فائدے اُٹھائے اور اگلے جہاں میں اس پہ سارا بھید ہی کھل جاوے - کیا باقی مخلوق اُس کو

پیاری نہیں؟ اُن کو وہ کیا ایک ہی حال میں رکھے گا؟ کیا اُن کے لئے ترقی نہیں؟ نہیں جناب یہاں ایک معمولی سے بیج کو جب پھوٹتا دیکھتے ہیں تو وہ صرف دو پتیوں کی صورت میں نمودار ہوتا ہے پھر وہ چھوٹا سا پودا بن جاتا ہے پھر وہ اتنا بڑا تناور درخت بن جاتا ہے معمولی خشخاش کے دانے جیسے بیج سے ہم پیپل اور بڑھ اور شاہ بلوط جیسے درخت دیکھتے ہیں اسی طرح اللہ کی ہر مخلوق کا حال ہے۔ خدا نے اُن کے لئے بھی درجے رکھے ہیں۔ جب اس قدر تابعداری سے جس راستہ پر اللہ نے چلا دیا چلے گئے اور جو خدمت اُن کے سپرد لگا دی اُنہوں نے بسر وچشم منظور کی۔ اور وہ بھیانک موت جس سے انسان اس قدر اداس ہوا غمگین ہوا، افسردہ ہوا۔ ان پر بھی آئی۔ تو اللہ تعالےٰ اس قدر بے انصاف تھا کہ اپنی ایک مخلوق کے ساتھ اس قدر فراخی یہاں بھی اُسے اشرف المخلوقات کا لقب دیا اور اگلے جہاں میں بھی جنّت کی خوشخبریاں دیں تو کیا اپنی دوسری مخلوق کو سدا ایک ہی حال میں رکھے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بیل گھوڑے گدھے کتّے جنہوں نے انسان کی خدمت میں اس قدر مشقّت اٹھائی اور اسی طرح کئی حیوان جانور ذبح ہو کر انسان کی خوراک بنے اور اللہ کی رضا میں حلال ہو گئے اور اس طرح پیاری چڑیاں اس دنیا

کی رد تق کے لئے زندہ رہ کر پھر آخر کو شکروں کا شکار بنتی رہیں۔ اور کل مخلوق اپنے وجود کو اللہ کے حکم کے مطابق دوسروں کے لئے مٹاتی رہی اور بے شمار مخلوق سمندروں میں، ہوا میں زمینی مخلوق یہ سدا ایک حال میں نہیں رہ سکتی۔ یہ جیسے میں پہلے ذکر کر آئی ہوں۔ ان ہی کی روحوں کو سب کو ملا کر انسان کے قالب میں اللہ تعالےٰ داخل کر کے۔ ان کو پہلی ترقی دیتا ہے۔ پھر وہ جنت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ اگلی دنیا میں تو وہی ہی ترقی کر کے اس جنت کے وارث بن جاتے ہیں۔ لیکن جس طرح اس دنیا میں انسان کی ترقی ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں وہ بنتے رہتے مرتے رہتے ہیں۔ پھر اگلی دنیا میں جو ابھی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے ترقی پاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جب یہ ہر جاندار مرتے ہیں۔ ان کی دوسری دُنیا اسی جہان میں ہے وہ خاموشی سے انسان کی شکل کا روپ دھار کر پھر آگے اور ترقی کرنے لگ جاتے ہیں۔

بس ان سب کی روحیں انسان کے قالب میں پہنچ کر مطمئن ہو جاتی ہیں اور وہ انسان بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد جنت جو اللہ میاں نے رکھی ہوئی ہے۔ انسان کے لئے پھر اچھے عمل کر کے انسانی صورت میں اُس جنت کی وارث بن جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ میرے رب نے انسان بنانے کی خاطر ہی تو کیا۔ انسان

جو بن چکے ہیں۔ ان کے لئے وہ رونق بھی ہیں، وہ سامان بھی ہیں اور ان سے انسان کو بہت فائدے بھی ہیں۔ آخر پھر وہ تربیت پاتے، ترقی کرتے کرتے انسان بھی بن جاتی ہیں یہ دَور ہے جو ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ بندے کا تو ایک پنتھ دو کاج ہوتے ہیں۔ اللہ میاں کے ایک پنتھ میں ہزاروں کاج چھپے پڑے ہیں ایک تو اس سارے جہاں کے قالبوں میں رکھ کر روح کو سدھایا پھر سدھی سدھائی انسان کے قالب میں داخل کر دی یہ ہو گئی ان حیوانوں کی ترقی بھی۔ پھر دوسری روحیں انہی قالبوں میں تربیت بھی حاصل کرتی رہیں اور راس بن گئے انسان کے کام بھی آتی رہیں ہر مخلوق ترقی کرتے کرتے انسان بن جاتی رہی۔ پھر انسان اور آگے چلا گیا ترقی کرنے۔

میری یہ کہانی پڑھ کر آپ فرماویں گے کہ یہ تو اواگون کا چکر لگتا ہے۔ ہرگز یہ نہیں۔ ہمارے مذہب اسلام میں لوگوں نے قرآن شریف کے ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں نے ہزار قسم کی غلط باتیں مشہور کر رکھی ہیں جن کا قرآن شریف میں کہیں ذکر تک نہیں۔ وہ تو شکر ہے کہ قرآن شریف موجود ہے وہ ان لوگوں کی غلطیوں کو پکڑ لیتا ہے۔ لیکن اُنہوں نے دین کو بدلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس طرح دوسرے دین تو رہے ہی نہیں۔ اپنی اصل صورت میں ممکن ہے اُس

مذہب کے جاننے والوں نے جس کو اواگون کا چکر سمجھ رکھا ہے
اسی قسم کا کوئی خیال ہو۔ ساری مخلوق کی روح ترقی کر کے
انسان میں سما کر پھر اور آگے چلی جاتی ہے ترقی کرے جس کو
اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ بار بار اس دنیا میں آتی ہے۔ لیکن میں
ہرگز نہیں کہتی کہ انسان کے مرنے کے بعد روح پھر اس دُنیا
میں آئے گی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ یہ
تمہاری آخری موت ہے۔ اس کے بعد پھر کوئی موت نہیں پھر
اگر وہ اس جہان میں بار بار واپس آئے تو موت سے چھٹکارا
پا ہی نہیں سکتی۔ قرآن شریف میں تو دوزخیوں کے بارے
میں بھی یہ ارشاد ہے کہ وہ موت کو پُکاریں گے۔ لیکن
انہیں موت نہ آئے گی۔ ہاں انہوں نے جتنے لوگوں کو دکھ
پہنچائے ہوں گے اور انکے گناہوں کے نتیجے میں جب تک
یہاں کی دنیا مبتلا رہی ہو گی۔ اُن کو لمبے عرصہ کے لئے دوزخ
میں تو رکھا جاوے گا۔ اُن کو خوب صاف نظر آ جانے پر جو
ندامت ہو گی وہ بھی بڑا دوزخ ہو گا۔ اور ان کے سنگی
ساتھی اچھے عملوں کے سبب جنتوں میں ہوں گے اور یہ
دوزخوں میں عذابوں میں ہوں گے۔ یہ بھی بڑا دوزخ لیکن
موت نہ ہو گی۔ میں نے سوچا یہاں تک پہنچی اور اب آپ
بھی سوچیں۔ اگر ہم اس بات کو بُرا منائیں کہ زمین سے زندگی

کیسے شروع ہوئی وہ تو ہمارے پاؤں تلے بچھی ہوئی ہے ہم ہی عزت والے ہیں وہ حقیر ہے۔ لیکن اگر ایک دن یہ ہو جاوے کہ

نہ اُگلے جو اپنا خزانہ زمین ۔ تو جاندار کا پھر ٹھکانا نہیں

اس زمین سے ہمارے لئے مزے دار کھانے نکلتے ہیں اسی میں سے لباس، اسی میں سے سامان آرائش کیا ہے مکان اور سب سامان جو اس زمین سے نہیں نکلتا۔ پھر کیا ہماری یہ قدیمی زندگی ہم نے کسی طرح درجہ میں کم ہوئی ماں کا دودھ تو ہم کوئی ۲ سال ہی پی لیتے ہیں۔ لیکن اس کے سینے سے تو مرتے دم تک غذا حاصل کرتے ہیں۔ مرنے کے بعد بھی یہی اپنی جھولی میں ہمارے جسموں کو چھپا لیتی ہے ۔ جو ڈھونڈے گا سو پائے گا ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں ۔

یہ جہانِ زندگانی جسے ہم کبھی نہ سمجھے"
اسی خاکداں سے پیدا اسی خاکداں میں گم

میری پیاری اماں پر سلام ہو
میری پیاری امینہ پر سلام ہو
پیاری آمینہ کی یاد میں گم
اس کی دلفگار اماں مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے بندے تو شکر کر

اگر تیرے غمگین ہونے کے سبب دنیا نے تجھے چھوڑ دیا ہے تو مت اُداس ہو نہ گھبرا تیرے اصل رفیق تو تیرے پاس ہر حکم کو ماننے والے موجود ہیں۔ وہ جیسے منتظر ہی ہوتے ہیں، ہر حکم کو سننے اور عمل کرنے کے لئے تیرا اشارہ پاتے ہی تیری آنکھوں سے آنسو گرنے لگ جاتے ہیں حکم سنتے ہی زبان تیرے پیارے کا نام جپنے لگ جاتی ہے۔ اگر تیرا حکم تیرے ہاتھ کو ہوتا ہے کہ تو اُس کے دل کی باتیں لکھ تو وہ لکھنے لگتے ہیں اور تیرے تابعدار پاؤں اُدھر کو ہی چلنے کو تیار جہاں تیرا انہیں حکم ہو۔ خواہ وہ ٹھوکریں پر ٹھوکریں کھائیں۔ گرم ریت میں جل جائیں خواہ سردی سے ٹھٹھر جائیں خواہ کانٹوں سے زخمی چھلنی ہو ہو جائیں، اُف نہ کریں۔ اور تیرے تصوّرات جدھر تو اشارہ کرے اس میں کھو جائیں۔ تیرے ارد گرد تیرے بے دام غلام وفادار تابعدار ہر وقت حاضر ہیں تو خدا کا شکر کر کہ اُس نے یہ سب ہمدرد تجھے بخشے ہیں۔ جس بات کے سننے کا حکم کرے، کان وہی سنتے ہیں جس سے روکے رُکتے ہیں، جس کو دیکھنے کو آنکھ کو حکم

کرے۔ وہی دیکھتی ہے جس سے روکے رُک سکتی ہے۔ جس کام کے کرنے کو ہاتھوں کو کہے وہی کرتے خواہ اُس کے کرنے میں وہ زخمی ہو جائیں۔ جس سے رُد گے، رُکتے ہیں اسی طرح قدم اُدھر ہی کو اٹھتا ہے۔ جدھر تو اشارہ کرے زبان وہی کہتی ہے جو تو کہلوائے خواہ اس کے اُس کہنے کے سبب حاکم اُسے کاٹ دینے کا حکم کردے۔ بس شکر گزار ہو کہ تیرے پاس ایسے ہمدرد ساتھی ہیں اور صبر شکر سے انہیں پر قناعت کر انہیں سے محبت کر۔ انہیں کو آسودہ رکھ۔ فقط۔

پیاری بیٹی آمینہ کی یاد میں بیقرار
دلفگار امّاں

اقوالِ مبارک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

سب سے اچھا روزگار ہاتھ کی مزدوری اور ہر ایک اچھا بیوپار ہے۔

(۱) قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے آسمان میں شہرت اور زمین میں روشنی ہے۔ (نوٹ: کیونکہ قرآن پڑھنے والے سے دوسروں کو بھی روشنی ملنی لازم ہے۔ اس لئے زمین نے تو اُس سے لازمی روشن ہونا ہوا۔

(۲) حکمت کا شروع خدا کا خوف ہے۔

(۳) خدا سے ڈرو تمہارے سب کام درست ہو جائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسی فضا میں اسی غذا پر

ایک بیج زمین سے سر نکالتا ہے۔ صرف دو ننھی پتیوں کی صورت میں۔ بڑا ہوتا ہے وہی پانی پیتا ہے۔ زمین کے اندر اس کی جڑیں پھیلتی ہیں۔ ہوتے ہوتے وہ پورا درخت بن جاتا ہے۔ اسی فضا میں اسی غذا پر

پھولتا ہے پھلتا ہے آخر وہ بڑا ہو جاتا ہے۔ اس فضا میں پھولتا ہے پھلتا ہے آخر وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اسی فضا میں اسی غذا پر۔ آخر وہ مرجاتا ہے۔ اس فضا کے ہوتے ہوئے یہی حال انسان کا ہے ۔

پیاری آمینہ کی دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم: ہر ایک نیکی صدقہ ہے۔
یہ بھی ایک نیکی ہے کہ تو ہر انسان سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرے
دوسروں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو
(۴۴) جو شخص اوروں کے قصور معاف کرتا ہے خدا اُس کی عزت بڑھاتا ہے ۔ ۴۵۔ صدقہ دینے سے مال گھٹتا نہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام

مجھے پھول بہت اچھے لگتے ہیں بہت حسین، خوبصورت اور پیارے بہت ہی اچھے لگتے ہیں اُن کی خوشبو سے جیسے روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ایک روح دوسری روح سے لپٹ کر تسلی پالیتی ہے۔ اس مادی دُنیا میں بھی روح کو سکون حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن پھولوں پر نام جیسے یاسمین یا گلاب وغیرہ رکھنے سے میری روح ہی لرز جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کی زندگی بہت ہی کم ہے اور اسی طرح چاند، ستارے بھی بہت پیارے ہیں۔ لیکن وہ صرف رات کو ذرا خوبصورت اور تھوڑا روشن بنا دیتے ہیں۔ اس واسطے یہ نام بھی انسان کو دینے کو دل نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ غم کی کالی رات کے لئے کچھ خوبصورتی اور تھوڑا اُجالا ہیں۔ لیکن وہ رنگا رنگ کی خوشبوؤں کا چمکتا ہُوا دن نہیں چڑھا سکتے۔ اس لئے میں چاند تاروں پر رکھے ہُوئے ناموں کو بھی پسند نہیں کرتی۔

پیاری آمینہ کی دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم

جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقوال رسول الکریم

راستہ سے کانٹا اور پتھر ہٹا دینا کار ثواب ہے کہ لوگوں کے پاؤں ٹھوکر اور چبھن سے بچ جاتے ہیں۔ اور کیا جو اللہ کے بنائے ہوئے راستہ کو کچھ شریر، شیطان صفت انسانوں نے تکلیف دہ بنا کر یا لوگوں کو اس راستہ سے ہٹا کر اُنکے ناپاک ضمیر خوش ہوئے ہوں۔ اگر اس راستہ کو کوئی اللہ کا نیک بندہ پاک صاف کر دے اور جو انسانوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے کنکر پتھر کانٹے چھلکے ڈال دئے گئے ہوں اٹھا کر راہ صاف کر دے تو یہ کیا کم نیکی ہوگی۔ اگر کسی نے مادی سڑک صاف کی تو جسم کو آرام ملا۔ اگر کسی نے روحانی سڑک صاف کی تو اس سے روح کو آسودگی مل گئی۔

پیاری آمینہ کی دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم

(۴) اپنے عیب جان کر لوگوں کے عیب بیان کرنے سے باز آؤ
(۵) تیسرے آدمی کے ہوتے ہوئے دو آدمی کانا پھوسی نہ کریں کہ تیسرے کو رنج نہ پہنچے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دل کا دوزخ، دل کی جنّت

ایک گھر میں رہنے والے ایک ہی چھت اور ایک ہی جگہ میں برابر برابر بیٹھنے سونے والے، پاس پاس کچھ افراد لیکن ہر ایک کے دل کی کیفیّت الگ الگ کوئی بہت زیادہ مطمئن، کوئی تھوڑا خوش کوئی بالکل غمگین

لیکن باوجود اس قدر نزدیکی کے۔ ایک دوسرے کی خوشی سے نامحرم۔ دوسرا اس کے دوزخ سے یعنی اس کی غمگینی کے اثر سے محفوظ یہ ہے، دل کا دوزخ۔ وہ ہے دل کی جنّت۔

پیاری امینہ کی دلفگار اماں

ذبحِ عظیم

اپنے نفس کیلئے مرجانا اور اللہ تعالےٰ کے مقصدِ عظیم کیلئے قائم ہو جانا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بنیادی پتھر ہیں۔ اس قربان گاہ کے جس میں اللہ کے بندے صرف خدا کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرتے رہیں گے اور حضرت امام حسین اسی قربان گاہ کے سنہری کلس۔ لیکن کچھ بھی ہو عمارت اپنی بنیاد پر قائم ہے۔ اگر بنیاد نہ ہوتی تو کلس بھی نہ ہوتا اور اس قربان گاہ میں جو

اینٹ پتھر، چونا، مٹی کام آئی۔ اس کے بھی ہر ہر ذرّے پر لکھا ہوا ہے ذبحِ عظیم اگر یہ نہ ہوتے تو بھی یہ قربان گاہ تیار نہ ہو سکتی ۔

بس یہ ہے کہ کوئی اس قربان گاہ کی عمارت کے ستون ہیں تو کوئی دیواریں تو کوئی چھت ہے تو کوئی گنبد ہے تو کوئی کلس جیسی قربانی ویسی حیثیت حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی تھی "ابتدائے عشق اور انتہائے عشق" اور امام حسینؑ کی بھی یہی بلکہ تمام انبیاء اللہ کی اور اُنکے سچے پیرؤں کی بھی یہی۔ پس درحقیقت عظمت والی ذبح یعنی "ذبح عظیم" ہے اپنے نفس کے لئے مرجانا اور اللہ تعالیٰ کے مقصدِ عظیم کے لئے قائم ہو جانا۔

اب جو بھی اس قربان گاہ پر حاضر ہو کر اپنا آپ خدا کی نذر چڑھائے گا۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر اس قربان گاہ میں داخل ہو جائیں گے۔ وہی ذبح عظیم ہیں اور حضرت اسمٰعیل کے لئے فدیہ ہیں ۔ خدا کو اپنے سب بندوں سے ایک سا پیار ہے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک وہی نیکی کا کام کرے تو بہت پیارا ہو جاوے اور دوسرا وہی نیکی کا کام کرے تو پیارا نہ ہو۔ جو کوئی بھی نیکی کا کام کرے خواہ وہ کوئی بھی ہو وہ خدا تعالےٰ کو بہت پیارا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسے حوصلے کا کام کرے تو وہ ضرور ذبحِ عظیم ہے۔

پیاری آبینہ کی دلفگار اماں

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ؕ

غلاف کعبہ

میرے دل کو بارہا اس خیال نے بے چین کیا ہے کہ آخر یہ غلاف کعبہ کب سے کعبہ شریف پر چڑھنا شروع ہُوا رسول پاک کے زمانہ میں تو اس کے چڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ ضرور دُشمنِ دین کی اسلام پر مہربانی ہے۔ کہ اُس نے بظاہر اس پر غلاف چڑھا کر بہت بڑی خدمت کی یعنی کعبہ شریف کی حفاظت کی ہوگی۔ لیکن دوہدہ اس شیطان انسان نے کعبہ شریف پر کالا سیاہ کالی رات جیسا غلاف ماتمی رنگ کا اس پر چڑھا کر اللہ تعالےٰ کے گھر کو کچھ اور ہی تو نہیں بنا دیا ہے خدا کا گھر تھا اور سورج کی مانند جس سے ہر وقت روحانی روشنی کے سوتے پھوٹتے رہتے تھے جو انسانوں کی روحانی دنیا کو نوراً علی نور کرتے تھے۔ بقعۂ نور کرتے تھے۔ وہ اس غلاف کے چڑھا دینے سے روک دئے گئے۔ کیا معلوم اسی لئے روحانی دنیا دن کو رات سمجھ کر سوئی پڑی ہے جسقدر اللہ تعالےٰ کو ظلمت سے نفرت تھی .... اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کے لئے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ قیامت

کے دن اُن کے منہ اس قدر کالے سیاہ ہوں گے۔ جیسے
کالی رات کی چادر اُن کے مونہوں پہ اوڑھا دی ہو۔ یہ خدا
کا تو قصور نہ تھا کہ گنہگاروں کے منہ سیاہ ہوں گے۔
اُنہوں نے اس دنیا میں ایسے کام کئے جن سے ان کے منہ
کالی سیاہ رات کی طرح کے وہاں ہوں گے لیکن ان
کمبختوں نے خدا کے گھر خانہ کعبہ پر ہی کالا سیاہ غلاف
کالی رات جیسا اوڑھا دیا۔ میرا جی چاہتا ہے اس غلاف
کو اُتار پھینکوں اور وہ نور کے چشمے پھر اس سے پھوٹیں۔
اور انسانوں کی روحانی دنیا کو بقعۂ نور بنا دیں اور روحانی
دنیا کے لئے دن چڑھا دوں۔ دنیا جاگ اُٹھے فقط
پیاری آمینہ کی دلنگار اماں

اقوالِ مبارک حضور صلعم :۔
(۶) خدا کے کام میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے مت ڈرو
(۷) قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اُس عالم کو ہوگا
جس نے اپنے علم سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا (نوٹ: جو عالم خود فائدہ
اُٹھائیگا تو دوسروں کو علم دے کر ہی فائدہ اُٹھائے گا تو اس طور اسکے علم کا
دریا ہمیشہ بہنے والا ہو جائیگا جس سے علم کے پیاسے پیتے رہیں اور خوشحال
رہیں گے۔ جہالت تو اقوام کو زوال پذیر کر دیتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محبّت کا فلسفہ

ایک دفعہ ٹرومین صدر امریکہ سے کسی نے سوال کیا کہ محبّت کا فلسفہ بتائیے اس نے کہا میں محبّت کا فلسفہ نہیں جانتا۔ ٹھیک ہے وہ محبت کا فلسفہ کیا جانے وہ تو عداوت کا فلسفہ جانتے ہیں۔ دریافت کرنے والے نے اس سے ایک اُلٹا ہی سوال کیا۔ جن کے کارخانے دن رات۔ ایٹم بم جو ذرّوں کو پھاڑنے والی چیز ہے، دن رات دھڑا دھڑ بنا رہے ہوں وہ کیا جانے محبّت کا فلسفہ۔ سنا ہے ایٹم بم جب ذرّوں کو پھاڑتا ہے اور اُسے بے طریقہ کر دیتا ہے وہ ٹکرا ٹکرا کر پھٹتے ہیں تو ان میں سے اس قدر گرمی نکلتی ہے کہ کوئی زندہ چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ وہ گرمی اُن کو مار دیتی ہے۔ اگر کوئی قسمت کا مارا بچ بھی جاوے تو ایٹم بم کی مار کا اثر اُس کی پشتوں تک برقرار رہتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ ٹھیک ہے۔ ٹرومین بے چارہ ذرّوں کو پھاڑنے والی چیزوں کا مالک کیا جانے محبّت کا فلسفہ۔ سو آؤ میں بتلاؤں محبت کا فلسفہ۔ جیسے ایٹم بم ذرّوں کو پھاڑنے والی چیز ہے۔ محبت اُس کے خلاف ذرّوں کو جوڑنے والی چیز ہے۔ یہ وہ کشش ہے جس سے زمین کی شکل قائم ہے اور کل کائنات

ایک ایک ذرّہ جُڑ کر اِس کشش کے سبب بنی ہوئی ہے جو ہم ہزاروں کروڑوں قسم کی مخلوق کو دیکھتے ہیں۔ اس محبّت اس کشش کے سبب یہ دُنیا قائم ہے۔ اگر انسان بھی اس سے سبق حاصل کریں تو دنیا جنت ہو۔ ایک انسان دوسرے انسان سے اصل محبّت کرے تو اس دنیا کا نقشہ اور ہو۔ اسی کشش اسی محبت کو دور کر کے اس دنیا کے بڑے حریص۔ اس دنیا کو تباہ و برباد کرنے کی کوششوں میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ کہیں ایٹم بم بن رہے ہیں جو اس دُنیا کو توڑ پھوڑ دیں اور ہزار طریقوں سے دلوں اور ذرّوں کو توڑ دیا گیا ان کی کشش ختم کر دی یعنی محبّت تو یہ دنیا غبار سے بھی آگے کوئی چیز میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل۔ یہی وہ کشش ہے جو ہر نر و مادہ میں ہے۔ ان کو ایک ہی کر دیتی ہے۔ یہی وہ کشش ہے جو ماں اور بچّے کے درمیان میں ہے۔ بس محبّت وہ کشش ہے جو ذرّوں کو جوڑتی ہے اُن کو رنگا رنگ کی شکلیں دیتی ہے۔ ایٹم بم وہ چیز ہے جو اس کشش کو دُور کر کے۔ اس محبت کو دفعہ کر کے ذرّوں کو توڑتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں بم ہو وہ کیا جانے محبت کا فلسفہ۔ محبّت ہے اُس کشش کا نام جو ذروں کو جوڑتی ہے۔ بلکہ اس محبّت کی کشش سے ہی تو اجرامِ فلکی کا نظام قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو نظام درہم برہم ہو جائے۔:

پیاری امینہ کی دلفگار اماں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آہ

حسین چیزوں کی عمر بہت ہی کم ہے پہلے انسان کا بچپن ہی لیجئے عمر کا بہت تھوڑا حصہ بچپن رہتا ہے پھر ایسا جاتا ہے کہ پھر نہیں آتا۔ صبح کا سہانا وقت بس جلد ہی شور و پکار والے دن میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر سورج غروب ہونے کا نظارہ بس سورج سرخ مشعل کی طرح نیچا ہوتا چلا جاتا ہے۔ آسمان رنگا رنگ کی تصویر بن کر محو حیرت کر دیتا ہے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس پر سیاہی آکر وہی نظارہ کالی رات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ موسم بہار سال کا بارھواں حصّہ ہے۔ فروری کے آتے ہی سارا جہان گل پھول ہو جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد دیکھو پھول گر کر اس کی جگہ پھل لے لیتے ہیں۔ لیکن پھل پھولوں جیسے نہ ہی حسین ہوتے ہیں، نہ ہی خوشبودار۔ اور پیاری تتلیاں۔۔ بس چند روز پھولوں کے ساتھ ہی جی کر پھولوں کی طرح ہی مرجھا کر رہ جاتی ہیں

چاند تھوڑے ہی دنوں اپنی پوری آب و تاب دکھاتا ہے۔

ایک ماہ میں چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ؏

جوانی ادھر آئی ادھر گئی۔ گزری ہوئی کہانی بن جاتی ہے

ستاروں سے سارا آسمان بھرا ہوا ہے۔ لیکن خوبصورت بے حد چمکیلے خوبصورت ستارے صرف چند ایک ہی ہیں ان میں سے خاص طور پر صبح اور شام کے ستارے ہیں ۔ ایک کے پیچھے سورج بھاگا ہوا آتا ہے ۔ اور انہیں گُم کر دیتا ہے یہ صبح اور شام کو تھوڑی دیر ہی میں اپنی پیاری چمک دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اور سال بھر میں خوشگوار موسم بہت تھوڑا ہے گرمی یا سردی دن دنا کر دنیا کو تنگ کرتی رہتی ہے۔ آہ اے خوبصورت چیزو اے حسین چیزو تم اتنی کم عمر کیوں لائیں ۔ ہر حُسن کو اس قدر جلد موت کیوں آئی ۔

آہ فقط

پیاری آمینہ کی

دلفگار ماں

اقوال مبارک

حضور صلعم

(۸) جب تو اپنی نیکی سے خوش اور برائی سے غمگین ہو تو تو ایماندار ہے ۔

(۹) بُرے ہمنشیں سے خلوت بہتر ہے ۔ اچھی باتیں سکھانا چُپ رہنے سے بہتر ہے اور چُپ رہنا برائی کی باتیں سکھانے سے بہتر ہے ۔

نوٹ :- سبھی کے زمانہ میں انسان بُرے ہمنشین سے بہت جلد (باقی صفحہ ۸۶)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اللہ تعالیٰ کا دیدار مُبارک

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبیں نیاز میں

میرے خیال میں ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات آ گئی کہ سنا ہے جو اللہ تعالےٰ کے نیک بندے ہیں۔ اُن کو آخرت میں اُن کے اعمالوں کی کامیابی کے بعد اللہ تعالےٰ اپنے دیدار فیض اثار سے مشرف فرماوے گا۔

اب تصوّرات کی دنیا میں میں نے سوچنا شروع کیا کہ وہ شکل کیسی ہوگی اور یہ بھی سنی سنائی ہی بات ہے۔ خدا جانے ٹھیک یا غلط کہ وہ شکل مبارک ہوگی تو انسانی شکل کی ہوگی۔

اب نورانی، نورانی چہرہ خوبصورت سے خوبصورت نور ہی نور میں ڈھلی ہوئی یعنی جیسے نور ہی نور نے ذرا سی کوئی شکل اختیار کر لی ہو۔ آنکھوں کے آگے آنے لگی

لیکن ایک دم گھڑم سے ایک خیال نے دماغ میں ڈبکی لی

میں حیران ہو گئی!

وہ کیا تھا!

وہ یہ تھا!

کہ اللہ تعالےٰ ہر اُس نیک بندے کو اُس کے نہایت ہی
پیارے محبوب کی صورت میں نظر آ جائے گا۔

جیسے مجنوں کو لیلیٰ کی صورت میں اور
سسّی کو پنوں کی شکل میں اور
فرہاد کو شیریں کی شکل میں اور
سوہنی کو مہینوال کی شکل میں
زلیخا کو حضرت یوسف کی شکل میں

اِسی طرح ہر اُس سچے عاشق کو جو اپنے محبوب کی یاد میں تڑپ کر مر گیا ہو گا۔ اور ہو گا خدا کا بھی نیک بندہ اس کو اُس کے محبوب کی شکل میں نظر آ جائے گا اور ہر اُس ماں کو جو اللہ تعالےٰ کے حکموں پر کاربند رہی ہو گی۔ لیکن اُس کا پیارا بچہ بچھڑ کر اُسے نڈھال کر گیا ہو گا یا ماں اپنے پیارے بچّے کو بلکتے چھوڑ کر جنت کو سدھاری ہو گی۔ بس اُس ماں کو اُس کے پیارے بچہ کی شکل میں اور بچوں کو ان کی پیاری ماں کی ہی شکل میں وہ نور کا مجسمہ نظر آ رہا ہو گا جیسے بچے یاد کرتے رہے ہوں گے

بس سب جب نظر اٹھائیں گے کہ اپنے رب عظمت والے کے دیدار سے فیض یاب ہوں تو ہر ایک کے سامنے اُس کے محبوب کی صورت میں آنکھوں کو روشن دل کو سکون سے بھر دینے والا نور ہو گا اور سب سجدے میں گر جائینگے اور پاس

ہی وہ

. . . . . ماں ہوگی جو بچے کو تڑپتا چھوڑ گئی اور پاس ہی
وہ بچہ سب سجدے میں بھی اور سب کے سامنے وہ نور
بچے کی شکل میں تو کہیں ماں کی صورت میں تو کہیں حضرت
یوسف کی صورت میں تو کہیں زلیخا کی صورت میں تو کہیں لیلیٰ
کی صورت میں تو کہیں مجنوں کی صورت میں تو کہیں شیریں کی
شکل میں تو کہیں بھنی ہوئی سسی کو ٹھنڈک ڈالنے والا نور
پنوں کی شکل میں تو پنوں کے لئے سسی کی شکل میں۔ تو کہیں
سوہنی کے لئے مہینوال تو کہیں مہینوال کے سامنے سوہنی
غرضیکہ یہ سب سجدے میں بھی ہر ایک کے سامنے اُسی کا
محبوب جلوہ گر۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

سر اقبال رحمۃ اللہ

میں نے سارا خیال اپنی بھن اقبال خانم کے سامنے دہرایا اس
نے کہا ہاں وہ شعر آپ نے نہیں سُنا

کسی نے آ کر کہا مجنوں تجھے اللہ بلاتے ہیں
کہا اللہ نے ملنا ہے تو لیلیٰ بن کے آ جاوے

پیاری اٰمینہ کی دلفگار ماں۔ اٰمینہ پہ سلامتی ہو۔ میری اماں محمدی بیگم پہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُلک اللہ کا ہے

اے رسول کہو: مُلک اللہ کے ہیں جسے چاہے دے جس سے چاہے لے لے۔ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔۔۔

۔۔۔ ہر طرح کی خیر خوبی خدا ہی کے پاس ہے +

ہاں وہ ملکوں کی ذمہ واری ایسے لوگوں کو بخشتا ہے جو اس کی ساری مخلوق میں سے بہتر اچھے ہوں گو وہ بالکل اچھے نہ بھی ہوں۔

اور مسلمانوں کو اس وقت اُس نے ملکوں کی ذمہ واری بخشی جب انہوں نے اللہ کے لئے صرف اللہ کے لئے ہی کام کیا۔ اللہ کے نام کو ہی بلند کیا۔ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے زمین کے قطبوں تک پہنچ گئے۔ جتنی زمین سامنے دکھائی دی سب کو روند ڈالا۔ سمندر کھنگال ڈالے پہاڑ پھاند گئے کوئی رکاوٹ ان کے راستے نہ روک سکی۔ بس اللہ کا پیغام لے کر صبح شام پھرے اور بندوں تک پہنچا تو دیا اب بندوں کے ذمہ بات رہ گئی۔ مسلمانوں نے اللہ کا یہ پیغام پہنچا کر سُرخ روئی حاصل کر لی تو اس کے صلہ میں خدا نے اُنکو ذمہ واری سونپ دی اُن کو امین جانا اور یہ خدا کی طرف سے انعام تھا جو اس کے لئے کام کرنے کے عوض خدا نے

بخشا تھا وہ سچے مسلمان پاک مسلمان اپنا کچھ وقت خدا کی خلق کی خدمت میں گزار کر اپنے پیدا کرنے والے کی جانب لوٹ گئے اور پہلے یہاں اللہ کا وعدہ ان کے ساتھ اس جہان میں پورا ہوا اور اسی طرح اُن پر اللہ کی بے شمار برکتوں رحمتوں کا وہاں ان پر نزول ہوا ہو گا۔ ضرور ضرور اچھا۔ ان کے جانشین۔ بس یہ بھول ہی گئے کہ یہ خدا تعالٰے نے۔ جو زمین پر حکومت انہیں بخشی ہے یہ اُس کا پیغام یعنی تبلیغ اسلام اور اس کی خلق کی خدمت کے عوض بخشی ہے ملک اللہ کا ہے۔ جسے چاہے دے جس سے چاہے لے لے۔ وہ ملک کو میراث سمجھ بیٹھے اور خدا کی بجائے اس کی مخلوق کے خود آقا بن گئے اور خود مخدوم بن بیٹھے اور خلق کو خادم سمجھا ÷

بجائے اللہ کی بڑائی کے انکو ہر طرف اپنا آپ ہی بڑا معلوم ہوا خدا کا کام تبلیغ اسلام تو بالکل بھول ہی گئے۔ تو اللہ تعالٰے نے جو ان کے بزرگوں کو اُن کے اچھے کاموں تبلیغ اسلام کے عوض میں خوش ہو کر حکومت بخشی تھی۔ اب ان کے ناخلف بچوں سے لے لی اب اصل اسلام پر چلنے والے مسلمان تو رہے ہی نہ تھے صرف نام کے مسلمان رہ گئے تھے۔ ذلیل ہوئے رسوا ہوئے۔ آج میں دعوے سے کہتی ہوں کہ مسلمان نام کا مسلمان ذلیل ہے رسوا ہے۔ پریشان ہے درماندہ ہے غلام ہے۔

کون کہتا ہے۔ اسلام آزاد ہے مسلمان کہلانے والا نام کا مسلمان آزاد ہے جدھر دیکھو اسلام کو بڑے بھاری لوہے کے صندوقوں میں بند کر دیا ہوا ہے اور کھوکھلا مسلمان ایک قیدی کی زندگی گزار رہا ہے بڑے بڑے بھاری طوق اس کے گلے میں ڈال دیے ہیں ستر ستر ہاتھ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں ہیں ہاتھ اس کی پشت کی جانب باندھ دئے ہیں اور ذلیل درماندہ ہے۔ جو اس کے ہاتھ میں اسلام کے نام کی چیز دی ہے وہ بھاری بوجھل ہونے کے سبب اس کے ہاتھ سے گر چکی ہے۔ اب اس کے پاس کچھ نہیں۔ نہ ہی وہ مسلمان نہ ہی وہ کچھ اور۔ یہ ہے سزا اس کی ناشکری کی جو اس نے خدا کی نعمتوں کے ملنے کے بعد کی اور خدا کی غلامی کو بھولا تو بندوں نے پکڑ اسے اپنا غلام بنایا اب نہ اس کا ضمیر ہے نہ کچھ اس کی مرضی وہ غلام ہے قیدی ہے حاکم چاہے اپنے کسی فائدہ کے لئے اسے زندہ رکھے خواہ اسے مار دے خواہ اسے ذلیل کرے۔ آج اسلام کی راہ سے ہٹنے والے مسلمان کی وجہ سے ساری دنیا کا امن اٹھ گیا ہے اب باقی انسانوں کی کوئی قدر ہے نہ قیمت نہ جان محفوظ نہ عزت نہ مال بس اس روسیاہ مسلمان کی روسیاہی سے ساری دنیا میں اندھیر ہے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا کوئی راہ پکڑے تو کیسے۔ مسلمان پھر اسلام کو لوہے کے بھاری صندوقوں

سے نکالے اور ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر خدا کے کام کے لئے سچے دل سے اُٹھ کھڑا ہو اور خدا کا غلام اور خدا کی مخلوق کا خادم بن جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کا طریقہ کبھی نہیں بدلتا۔ جب اُس کے بندے ویسے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ جیسا پہلے تھا۔ کوئی ہے اللہ کا بندہ جو ہمّت کرے ؟

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا
کوشش کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

کاش خدا توفیق بخشے آمین ثم آمین

مسلمان پھر اللہ کا فرمانبردار ہو اور وہ انعامات حاصل کرے جو اس کے بزرگوں نے حاصل کئے اور اس نے کھو دئے۔ اب اصل دین جو دین فطرت ہے لے کر نکل کھڑا ہو اور اللہ کا پیغام صاف صاف خدا کے بندوں تک پہنچا دے پھر دیکھے یہ دنیا چھوڑ اور کئی دنیاؤں کی سرداری خدا کس کے ہاتھ میں دیتا ہے

فقط۔ پیاری امینہ کی دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم ۔ (۱۵) منافق کے چار نشان ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ جب جھگڑنے لگے تو فحش بکنے لگے۔

(۱۶) مظلوم کی پکار سنو خواہ وہ کافر ہی ہو۔

بقیہ صفحہ نمبر ۶۸

سرسیّد کے گھر سے آگے عین اُسی کے بالمقابل ایک اور گھر تھا بس بڑا شاندار دکھائی دے رہا تھا مجھ سے نہ رہا گیا میں نے اس گھر میں بغیر دیکھے آگے گزرنا مناسب نہ سمجھا کسی نہ کسی طرح اس کے اندر پہنچ گئی۔ اندر کیا دیکھتی ہوں اسی گھر سے ملتی شکل کی ایک جلال والی شکل دیکھی جس کے بازوؤں میں بے پناہ طاقت تھی اور ہاتھ میں ایک لوہے کو کاٹنے کی آری لئے ہوئے آگے سے سیلاب کی طرح انسان ایک دوسرے کی گردنوں سے لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے اُس کے آگے سے گزر رہے تھے اور اس کی آری اس بجلی کی تیزی کے ساتھ اُن کی زنجیروں کو کاٹ کاٹ کر زمین پہ گرا دیتی تھی وہ آزاد ہو کر خوشی کے نعرے مارتے سینٹ ابراہیم لنکن زندہ باد کے نعرے لگاتے چلے جاتے تھے میرے دیکھتے دیکھتے سب آزاد ہو چکے تھے اور میں محوِ حیرت تھی اُس نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور اپنا چہرہ اُوپر اُٹھایا تو اُس کے ماتھے پہ یہ حروف چمک رہے تھے۔ خدا سے پیار کرنے والا، انسانوں کو آزادی دلانے والا ابراہیم لنکن امریکہ کا پریذیڈنٹ . . . . . وہ خوش اور مطمئن تھا میں بھی زور سے ان نعروں میں شریک ہو گئی۔ ابراہیم لنکن پر سلامتی ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِ

میری سوچ

میں کئی دنوں سے سوچ میں ہوں کہ انسان یا حیوان پرند
چرند جو بظاہر مجھے نظر آرہے ہیں یہی سب کچھ ہیں جیسے آپ
رو برو کھڑے ہیں چہرے والے۔ سینے والے، بالوں والے
ہاتھوں والے کان، ناک آنکھ منہ والے، پاؤں والے۔ یا اصل
کہیں چھپا ہے اور یہ اس کا چلتا پھرتا گھر ہے اور باقی جو آنکھ
کان ناک منہ ہاتھ پاؤں یہ سارا ڈھانچہ ایک غلام ہے اور
اس گھر کے مقیم کے رہنے کی جگہ کو دنیا بنانے والے نے اسے
اونچے محفوظ مقام سر کے اندر رکھا ہے۔
اور اسے یہ سارے غلام بخش دیئے ہیں۔ اللہ اللہ جو اصل
ہے، اس کی بظاہر نہ شکل نہ کوئی خوبصورتی۔ کئی دفعہ بکرے کا
مغز ہم بھون کر کھا جاتے ہیں۔ بس ایسا ہی تو ہے انسان کے
بھی سر میں۔ پھر یہ خوشبو سے حظ اُٹھائے۔ دنیا کی خوبصورتی
سے حظ اُٹھائے کیا کہنے اس پاؤ بھر یا آدھ سیر گندے
یا مغز کے کیا اس کو نام دوں میں زیادہ علم والی نہیں۔ یہ
پورے گھر پر حکمرانی کرتا ہے۔ ایسا حکمران اس دنیا پر تو کوئی
ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ سلطنت کا بھی حکمران نظر نہیں آتا خود

بے شک اُونچی جگہ میں ہے لیکن اگر پاؤں کے تلوے پر بھی ذرا سی خراش آجاوے اُسی وقت اُسے اطلاع پہنچ جاتی ہے۔ جسم کے کسی حصّے پر ذرا سی چُبھن ہو جائے دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ چیونٹی کے رینگنے تک کی خبر لگ کر جھٹ اُس کا مداوا ہو جاتا ہے جھٹ ہاتھ کو حکم ہوتا ہے کہ غیر ضروری چیز جسم سے اُتار پھینک۔ اگر خدانخواستہ جسم یعنی اس گھر کے کسی حصّہ پر آفت آتی ہے تو پہلے دماغ کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اپنے اس گھر پر آنچ نہ آنے پائے اگر معاملہ دگرگوں ہو تو پھر اُس پر ایسا صدمہ طاری ہوتا ہے کہ اُسے اتنی بھی ہوش نہیں رہتی۔

بس خادم خوش خرم تو یہ خوش۔ خادموں کو تکلیف ہو تو یہ بے چین اور پھر کسی بزرگ کو نماز پڑھتے دیکھو تو۔ آخر اپنے آقا کے آگے یہ سر بسجود بس پھر اپنا وہ مینار جس کے اندر یہ ہے اپنے خالق حقیقی کے آگے زمین پر رکھ کر اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے

میں اس ذرا سے گدے کی کیا کیا تعریف بیان کروں میں تو صرف مختصر لکھ کر اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے لئے راہ کھول دینا چاہتی ہوں کہ اس موضوع پر قلم اُٹھائیں۔ اپنے دماغ اور دوسرے اعضا میں جو رشتہ ناطہ ہے اُس کو دنیا پر ظاہر کریں کہ اس طرح کے ہونے چاہئیں حاکم اور محکوم اور جب ایسے حاکم محکوم ہو جائیں۔ تو پھر دنیا جنّت ہو۔ حاکم محکوموں کی خبر چاہے ہر دم اور محکوم

ہر وقت چاک چوبند، ہر حکم کے منتظر اور اپنی جانیں تک نچھاور کرنے کو ہر وقت تیار۔ کیسا ہے پیار ارشتہ۔ ہر عضو اشارے کا منتظر دماغ اور اعضاء میں ہر عضو اشارے کا منتظر اور پھر بعض بظاہر یعنی اس مغز کا گھر گھاٹ خوبصورت اور مغز کوڑ مغز اور بعض گھر بھی خوبصورت اور مغز میں بھی سب کچھ اور بعض گھر بھدا اور مغز بس روشنی ہی روشنی اس چیز کو مدنظر رکھ کر میں کچھ تھوڑا دوسرے رنگ میں اس بات کو کھولوں گی۔ خدا ایسا کردے کہ میں اس چیز کو اچھی طرح سے ظاہر کرسکوں جیسے میرا دل چاہتا ہے یا مغز "دماغ" چاہتا ہے۔

عجیب گھروں کی سیر

میں اسی سوچ میں تھی کہ مجھے اونگھ آگئی بس۔ آنکھ بند کرتے ہی ایک عجیب وغریب آبادی میں پہنچ گئی۔ بس گھروں کی قطاریں کی قطاریں تھیں۔ ایک گھر میں نے دیکھا۔ اتنا خوبصورت پیارا پیارا پیارا اس کی چھت پر سنہرا گھاس کی قسم کی چیز جو سونے کی طرح چمک رہی تھی اس گھر میں... دو نیلی نیلی سی کھڑکیاں تھیں یا روشندان اور دو اور کھڑکیاں تھیں۔ خدا جانے وہ کس لئے بس میں تو کسی نہ کسی طرح جیسے مجھ سے ہو سکا۔ انہی کھڑکیوں کی راہ سے اندر کود گئی۔ بس میرا اندر جانا ہی تھا کہ خوفناک

آوازیں آنے لگیں اور بالکل سیاہی پھیل گئی اور دھواں جس سے میرا دم رُکنے لگا دھوئیں کے بیچ میں کچھ سرخ خوفناک سی آگ سی دکھائی دی۔ بس اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دیتا تھا کیا دیکھتی ہوں وہ آگ ذرا پاس آئی ہوئی معلوم ہوئی۔ خوفناک چیخیں۔ ایسا خوفناک ناگ پھنداڑ پھنکاریں مارتا میری طرف کو بڑھ رہا تھا۔ بس میں نے خدا کو یاد کیا تو پیٹھ پیچھے دیکھا تو کھڑکی مجھے نظر آئی میں اسی کے راستے باہر کود گئی۔ تو بس دیکھا تو گھر ویسے کا ویسا۔ ۔ ۔ ہی جیسے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اب تو مجھے اُس گھر کو دیکھ کر وحشت سی ہونے لگی میں ڈر کے مارے سہم سی گئی تھی۔ لیکن میں نے پوری قوت سے بھاگنا شروع کیا تو ایک اور گھر میرا راستہ روکے کھڑا تھا کچھ بن نہ آتی تھی۔ اس کی پیشانی پر لکھا تھا ہیلن کیلر۔ اس گھر کا کوئی در نہ تھا نہ دروازہ نہ روشن دان، صرف ہوا کے لئے دو چھوٹے سے سوراخ تھے۔ میں پہلے خوبصورت گھر سے ڈری ہوئی ذرا جھجکی لیکن ہوا کے زور سے خوشبو کی طرح میں خود اُس گھر کے اندر تھی۔ کیا دیکھتی ہوں باہر سے وہ اندھیرا سا گھر معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن جب اندر گئی تو وہ اس قدر فراخ تھا۔ گھر کہاں ہے کا تھا وہ تو کوئی جادو کا میدان تھا زمین آسمانوں میں جتنی فراخی اور اس میں میدان سمندر پہاڑ نغمے۔ روشنی بہاریں

خوشبوئیں اور کہیں برفوں کے ہی کمرے بن گئے ہوئے اور سورج کی روشنی سے اُن کے اندر ہیرے کی چمک کی طرح گوناگوں رنگوں سے قوس قزح کی طرح بنا دیا تو کوئی کمرہ صرف نیلا تو کوئی زرد تو کوئی سبز تو کوئی موتی کی طرح کا کوئی یاقوت کی طرح کا کوئی مونگے تو کوئی الماس تو کوئی زمرد۔ بس میں محو حیرت ہی تھی۔ کیا دیکھتی ہوں ان سب چیزوں نے ایک محل کی سی صورت اختیار کر لی۔ اب منیچ میں بڑا ہال تھا۔ تو اس کے گرداگرد خوبصورت سجے سجائے پر آرائش سے مزین کمرے تھے۔ بس اگر ایک کمرہ زرد رنگ کی طرح چمک رہا تھا تو اسی قسم کے پردے اُسی قسم کے قالین اُسی قسم کے صوفے بس میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس کی خوبصورتی پھر دوسرا سونے کی سی چمک والا تو تیسرا ہیرے کی طرح کا تو چوتھا زمرد تو پانچواں نیلم۔ ان کمروں میں سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی تو ایسا باغ کہ اس میں کوئی پھل دار درخت نہیں رہا۔ جو اس میں نہ ہو اور رنگارنگ کے جانور۔ اپنی پیاری آوازوں سے دل کو لبھا رہے اور ایک طرف کیا دیکھتی ہوں کہ چڑیا گھر کی طرح کا کچھ اس میں ہر قسم کے ہر دُنیا کے حصوں میں سے آئے ہوئے حیوان جانور جمع کئے ہوئے۔ پھر دوسری طرف نکل گئی تو ایسی پیاری سی جھیل جس کے درمیان بارہ دری کشتیاں منتظر اس میں بیٹھ گئی تو اس بارہ دری کے عین

وسط میں ایک چشمہ فوارے کی طرح اُبھر کر چل رہا بس اُس کے قطرے زمین میں گرتے ہی موتی بن جاتے اور پیارے معصوم سے بچے جھولیاں بھر بھر کر لے جا رہے تھے بس وہاں مجھے اپنے سوا اور تو کوئی منظر نہ آیا یا وہ بچے، میں پھرتی پھراتی کہیں کی کہیں نکل گئی۔

ہاں میں بتانا بھول گئی کہ جب اس گھر کی سیر کرنے لگی تو جو اُس گھر میں سورج تھا وہ ایک سورج کی مثل چھوٹا سا روشن سورج اپنی تیز شعاعوں کے ساتھ اُس گھر کے ہر کمرے میں اور ہر جگہ تاباں نظر آتا تھا۔ جس کی مدد سے وہ گھر بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور اس روشنی کی وجہ سے میں اُس گھر کے کونے کونے کی سیر کر سکی اگر وہ روشنی نہ ہوتی تو یہ سارا عجائبات شدید ترین تاریکی میں پنہاں رہتا۔ کوئی نہ جان سکتا کہ یہ گھر اس قدر عجائبات سے معمور گھر ہے اور کیا دیکھتی ہوں کہ اُس سورج کے اندر قوس قزح کے چمکتے ہوئے رنگوں میں لکھا ہوا ایک دم نمودار ہوتا ہے۔ ہیلن کیلر کی اُستانی مس سیلون میرے منہ سے بے ساختہ نکلا ہماری صدی نے دو کمال عجائبات اور پیدا کر کے دُنیا کے سات عجائبات میں اضافہ کر کے نو عجائبات بنا دیئے۔

اور ایسی محو حیرت تھی کہ واپس لوٹنا یاد ہی نہ رہا۔ لیکن

دیکھتی ہوں کہ پھر وہ ہوا کے راستہ پہ کھڑی ہوں۔ ابھی بس سوچنے بھی نہ پائی تھی جیسے ہوا کے جھونکے سے اندر گئی تھی ویسے ہی باہر تھی۔ پھر ابھی میں نے قدم بھی نہ اُٹھایا تھا کہ ایک گھر میرا منتظر یا میں گھر کی منتظر جیسے سیر کرنے آئی ہوں۔ اس بستی کے ایک ایک گھر کے اندر گھس کر گھر کا اندر ہی دیکھنا میرا مقصد تھا۔ اب یہ گھر اس قدر پیارا سا تھا کہ میں دیکھتے ہی کچھ مسحور سی ہو گئی۔ اس گھر کی پیشانی پہ روشنی سے لکھا تھا سرِ اقبال۔ اس کی کھڑکیاں کھلی اور کشادہ تھیں دروازہ بھی تھا روشندان بھی تھے ہوا کے لئے بھی ہوادان تھے بالکل پیارا پیارا سا گھر بس میں تو روشندانوں سے اندر اتر گئی جیسے ایک انسان کی تصویر دماغ پر اُتر جاتی ہے۔ بس کیا دیکھتی ہوں گھر کی تصویر اندر اندر کی تصویر باہر۔ بس اِسم با مسمّٰی۔

بس جب اندر نگاہ کی تو بس روشنی ہی روشنی تھی، نور ہی نور اور نور میں ڈھلی گھر کی شکل سے ملتی جلتی ہی تصویر سی نمودار ہوئی بس باقی سب تو نور کا لبادہ تھا صرف منہ ہی تھا جو مجھے نظر آرہا تھا۔ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھی جب میرے نزدیک پہنچی تو مجھ میں نے آگے بڑھ کر السلام علیکم عرض کیا اور اُس نے پُر وقار آواز دی اور ایسی جیسے کوئی گا رہا ہو۔ مجھے وعلیکم سلام

کہا اور سفید لبادے سے ایک نورانی ہاتھ نکلا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس بازو کا پکڑنا ہی تھا کہ اُس میں تو بجلی جیسی تیزی تھی ہی مجھ میں بھی اُس کے دست مبارک کے چھونے کی وجہ سے وہ پیدا ہو گئی۔ بس جب میرا رخ اُس نورانی شکل نے پھیرا تو بس وسعتیں ہی وسعتیں تھیں بس ہم زمین پر اس قدر تیزی سے جا رہے تھے کہ خیال اور نظر بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی جا کیا رہے تھے جیسے اڑ ہی رہے تھے وہ بزرگ بالکل تازہ دم اگر کوئی راستہ میں دریا سمندر پڑتا تو میرے سمیت غوطہ میں چلا جاتا اور نجب نہیں کیا آبدار چیزوں سے جھولی بھر لاتا کنارے پر ڈال لوگوں کے دیکھنے کے لئے وہیں چھوڑ اور آگے بڑھ جاتا بس پہاڑ آیا تو اُسی تیزی سے اُس پر چڑھ جاتا وہاں سے نادر نایاب چیزوں کے ڈھیر اپنے ساتھ لاتا لوگوں کے راستوں پر ڈال کوئی غار آتا تو بے دریغ اس میں گھس جاتا اس کے گھستے ہی وہ غار دن کی طرح روشن ہو جاتی جو ہاتھ لگتا نکال غار کے منہ پر ڈال کسی دوسری ہی جستجو میں کھو جاتا اسی طرح اُس نے اس ساری زمین کا کونہ کونہ چھان مارا۔ بجلی کی تیزی سے اُس نے اس کے گرد ہر طرف کوئی بے گنت چکر کاٹے کبھی خط استوا کے نیچے شعلہ مارتی زمینوں سے گزر گیا تو کہیں سمندروں کو پیرتا پار نکل گیا تو کہیں قطبوں

کی برفوں پر پھسل گیا دھواں دار بارشوں بجلیوں میں سے سرک گیا جب یہاں سب کچھ دیکھ چکا تو اب فضا میں اونچا ہونا شروع ہوا .... تو بس میں بھی ایک پر کی طرح بس ہلکی پھلکی ساتھ ہی تھی۔ بس اور تو سب نور ہی نور معلوم ہوتا تھا لیکن وہ نور سے بھی زیادہ روشن جو نام تھا بس وہ بجلی کے کوندے سے بھی زیادہ تیزی سے ادھر ادھر کوند رہا تھا۔ اس نے پہلے چاند میں پہنچنے کی کوشش کی۔ چاند کی غاروں میں اترا تو ایسے اُبھرا کہ کوئی چاند کا حصہ نہ چھوڑا جہاں سے وہ نہ گزر گیا ہو۔ بس چاند کی سیر ختم کر کے تو پھر وہاں سیر کرنے کی جگہوں کی کیا کمی تھی۔ ایک سیارے کے ارد گرد گزر گیا تو کبھی دوسرے کے کرتے کراتے سورج تک پہنچ کر اس میں وہ تو گم اور میں پھر زمین پر کھڑی تھی حیران ایک کالا سیاہ گھر جیسے کالے ناگ کا چمڑا اس گھر پر مڑ دیا ہو لیکن روشندانوں میں سے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی اندر سے بھی نمودار ہو رہی تھی بجائے باہر کی روشنی اندر جانے کے اندر سے باہر آ رہی تھی۔ بس مجھے مزا تو بڑا ہی گیا تھا میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اسی روشندانوں سے اندر پہنچ چکی تھی۔ میں بتانا بھول گئی۔ اس گھر کی پیشانی پر لکھا تھا ڈاکٹر بکری واشنگٹن بس اس گھر میں تو نور ہی نور

روشنی ہی روشنی تھی۔ میں سیر کرتے نکل تو بس یہی دیکھا اس گھر کے اندر سکولوں سے لے کر کالجوں تک اور یونیورسٹیاں ہی یونیورسٹیاں تھیں۔ اتنی عالی شان بس کیا دیکھتی ہوں۔ چھٹی کی گھنٹی بجی تو ہزاروں قسم کے بچوں سے لیکر نوجوانوں تک صاف ستھرے قطار در قطار عمارتوں میں سے نکل کر باغوں میں ٹہل رہے تھے۔ ہر ایک کی بغل میں یا ہاتھ میں کتاب تھی بس میں نے دیکھا علم کا دریا رواں تھا۔ بس میرے دل میں تھا۔ کہ میں نے اور گھروں کی بھی سیر کرنی ہے تو جیسے قدرت کا ہاتھ میرا منتظر تھا۔ اس نے اس گھر میں سے باہر آنے میں مدد دی تو میں نے پھر ایک دفعہ اس گھر کی پیشانی پر نظر کی تو بجلی کی طرح نام روشن تھا ڈاکٹر بکرٹی واشنگٹن۔ میں نے کہا سلامتی ہو۔

پھر میں گزر رہی تھی۔ ایک نہایت ہی پیارا سا گھر تھا نورٌ علیٰ نور وہ تو گھر ہی نور سے بنایا ہُوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کی پیشانی پر بھی چمکنے والے حروف میں لکھا ہُوا تھا "حالی" بس میں اس نام سے پہلے بھی کچھ آشنا تھی۔ یہ نام زندگی میں مجھے بہت ہی پیارا تھا۔ اس کے پاس پاس ہی نور میں ڈوبے ہُوئے روشن اور گھر دکھائی دئیے جنکی پیشانیوں پر روشن حروف سے کندہ تھا "سرسید" "شبلی" میں پہلے والے گھر میں

گھسی تو بس ایک شخص کو دیکھا جو خود تو نورانی شکل لیکن ایک مردے کو سامنے رکھ کر پہلے تو اُس کو زندہ کرنے کی کوشش کر کرکے تھک چکا تھا۔ اب زار و قطار رو رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا میں بھی ساتھ ہی ساتھ رونے لگی میری گھگھی بندھ گئی تو کیا دیکھتی ہوں۔ میری کمر پر ایک نرم بھاری سا ہاتھ پڑا سر اٹھا کر دیکھا تو جناب سرسید کی شکل تھی۔ جو مجھے بازو سے پکڑ کر اپنے گھر کی سیر کرانے لے گئی۔

میں نے اس گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ جدھر نظر کروں بڑے مینار روشنی کے تھے دور سے نزدیک تک بس اُس سے جو روشنی نکلتی تھی وہ ایسے حروف کی شکل بن جاتی تھی علم حاصل کرو۔ علم حاصل کرو۔ علم حاصل کرو۔ بس جس طرح اُس نے مجھے خود پکڑ کر سیر کرائی اس طرح نرم سے ہاتھ سے اپنے گھر کے دروازے پر نکال دیا اور کہا چونکہ تو سیر کرنے آئی ہے۔ میں تیرا وقت زیادہ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ بس میں نے کہا کہ آپ پر سلامتی ہو۔ بس گھر تو وہاں بے شمار تھے ایک گھر مجھے بہت ہی بڑا نظر آیا۔ اس کی پیشانی پہ لکھا تھا۔

"امریکی"

بس میں اندر چلی گئی تو وہ کچھ دیکھا جو آج سے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا میں کیا بیان کروں بیان کرنے سے قاصر ہوں وہاں

بھی ایک غیبی ہاتھ نے میری مدد کی وہ مجھے اس گھر کے کونے کونے کی سیر کرانے لگا بس وہ سب کچھ ایک منٹ میں دکھایا جو لوگ کتنے عرصے میں دیکھ سکتے ہیں۔

پھر وہ مجھے ایک اسلحہ خانہ میں لے گیا۔ بس کیا دیکھتی ہوں کہ ایک قوی ہیکل جوان کے ہاتھ میں ایک بم کی شکل کی کوئی چیز تھی اب اس کو ایک ہوائی جہاز میں رکھا۔ اب اس غیبی ہاتھ نے مجھے بھی پکڑ کر ہوائی جہاز پر سوار کر دیا بس ہواؤں میں سے گزرتے گزرتے ہم زمین سے دور ہوتے گئے یہ کس لئے کہ اس ایٹم بم سے جب ساری دنیا تباہ ہو جاوے تو شاید یہ آدمی سوچتا تھا کہ ہم کسی دوسری دنیا میں پناہ لے لیں بس اُس نے بم کو دھکا دے کر نیچے لڑکا دیا اور چشم زدن میں وہ ایک پہاڑ پر ٹکرا دیا اور دنیا میں زبردست دھماکہ ہوا دنیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گئی ایک ٹکڑا عین ہوائی جہاز کے پاس سے گزر رہا تھا بس اُس نے اپنا ہوائی جہاز اُسی ٹکڑے پر اتار لیا اب وہ ٹکڑا کسی جانب کو بغیر کسی حساب کتاب کے جا رہا تھا میرا دل دہل گیا۔ میں نے ایک ہلکی سی چیخ ماری میری بہن میرے پاس سوئی ہوئی تھی اُس نے پکڑ کر مجھے ہلایا تو میں نے کہا ہائے توبہ توبہ میں کیا خواب دیکھ کر اٹھی ہوں اللہ توبہ اللہ توبہ

پیاری آمینہ کی دلفگار اماں

پرندوں کے تصوّرات

میں نے ایک گھونسلے کے لئے طوطوں کے ساتھ شارکوں کو لڑتے دیکھا جب شارکوں نے گھر لے لیا تو اب نیل کنٹھ کو اس گھر کے لئے بے قرار دیکھا لیکن شارکوں کے آگے نیل کنٹھ کی کچھ نہ چلی اب وہ تنکے لا لا کے کوئی کاغذ کا ٹکڑا لا لا کر اس گھر کے اندر بچھا رہی تھیں تو کیا جب کہ ابھی انڈے بھی پیٹ میں ہی ہیں گھر بن رہا ہے تو ان کی آنکھوں کے سامنے اس گھر کے اندر جب وہ مکمل ہو جاوے یعنی ان کی تصوّرات کی دنیا میں ننھے منھے انڈے رکھے ہوئے نظر نہیں آرہے ہوں گے اور پھر جب سفید سفید نرم نازک چھلکے کے انڈے جن کو یہ ہر دم اپنے جسم کی گرمی سے گرم رکھتے ہیں تو کیا پھر کسی وقت یہ خیالوں کی دنیا میں اپنا گھونسلہ بچّوں سے بھرا بھرا انہیں دیکھتے ہوں گے میں تو سوچتی ہوں کہ یہ سب ان کو نظر آتا ہے تب ہی گھر بنتے ہیں۔ ہر ایک جانور کو دیکھو انڈوں سے پہلے ہی گھر بننے لگ جاتا ہے میں تھوڑے سے جانوروں کے گھونسلوں کا ذکر کروں گی۔ پہلے تو ہماری چھتوں میں رہنے والی چڑیاں پھر فاختہ اور کبوتر۔ پھر بلبلیں ایسی پیاری

ننھی سی ٹوکری بناتی ہیں پھر اس میں چار انڈے سفید سفید دے دیتی ہیں پھر وہ ٹوکری بچوں سے بھر جاتی ہے اور شکر خورے کا گھونسلہ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے اُس کے اندر آک یا سنبل کی روئی بچھائی ہوتی ہے اور بئیے کا گھونسلہ میں نے نہیں دیکھا لیکن کتابوں میں اس کی تصویر دیکھی ہے اور ذکر پڑھا ہے کہ وہ اپنے گھونسلے میں روشنی کا بھی انتظام کرتا ہے۔ جگنو زندہ پکڑ کر گیلی مٹی میں ذرا چپکا دیتا ہے جب تک وہ زندہ رہتا ہے۔ چمک دیتا ہے۔ پھر دیکھو ذرا ان کے دماغوں میں جھانک کر کیا کچھ نہ ہوا ان میں اور پھٹکی کا گھونسلہ میں نے دیکھا جو امرود کے دو پتوں کو جوڑ کر پھر سی کر اس کے اندر روئی وغیرہ سے تیار کیا ہوا ہوتا ہے بس اسی طرح بے شمار جانوروں کے گھونسلے دیکھے ہیں جو وہ انڈوں سے پہلے تیار کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہد کی مکھیوں کے عزم ارادوں پر غور کرو اور کھریی کا گھر بنتا دیکھو وہ مٹی لا لا کر اپنے ہاتھوں اور منہ سے کیسا مٹی کے ورق سے گھر تیار کرتی ہے اور اس کے اندر انڈے اور خوراک کے لئے سبز رنگ کے کیڑے اندر بھر اوپر سے منہ بند کر دیتی ہے۔ کیا مستقبل پر ہی اس کو بچے دکھائی دے جاتے ہیں پر دار بن کر نکل کر اڑتے۔ اسی طرح بھونڈی زمین کے سوراخوں کے اندر اپنے انڈے دیتی ہے۔ اپنے

بڑے بڑے ٹڈے لا لا کر اندر اتارتی ہے اور بھر جاتے وقت اپنا وہ راستہ مٹی سے بند کرتی ہے کیا اس کی تصوّر کی نگاہیں کسی دشمن کو دیکھتی ہیں کہ وہ اس کے گھر میں گھس کر اس کے بچوں کی بربادی نہ کر دے جو ابھی انڈوں کے اندر ہی ہیں اور پھر چیونٹیوں کو دیکھو جب اُن کے بلوں میں پانی بھر جاتا ہے تو ہر ایک چیونٹی کے منہ میں ایک انڈا ہوتا ہے۔ جس کو وہ لا کر باہر دھوپ میں رکھتی ہیں جب ذرا پانی خشک ہو پھر منہ میں دبا کسی اینٹ پتھروں کے نیچے محفوظ مقام میں رکھ دیتی ہیں اور نئے گھر بننے تک وہیں ان کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ کیا ان کے خیال میں آتا ہے کہ پانی میں اُن کے بچے مر جائیں گے۔ بس میں نے دیکھا ہے کہ جانوروں کے پاس اتنے الفاظ نہیں وہ صرف اپنی مخصوص بولی بولتے ہیں۔ لیکن اُن کے خیالوں کی دنیا میں تصوّرات کی دنیا میں سب کچھ ہے جو ایک انسان کے تصوّرات میں ہے اور انسان لفظوں کے ذریعہ ان کا اظہار دوسرے پر کر سکتا آہ! آج قلم پکڑی تو مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جو میری پیاری آمینہ کی زندگی میں ہوا تھا ایک دفعہ ایک دیوار کے اندر ایک چھوٹا سا گھر تھا ہُدہُد کا۔ اس گھر پہ سارا دن لڑائی رہتی شارکیں اور چڑیاں حتےٰ کہ گلہری بھی بعض وقت اس ہُدہُد کو پریشان کرنے کے لئے آجاتی۔ سامنے ایک سوراخ تھا اور

اس کے آگے ایک اینٹ تھی پھر اس اینٹ کے دائیں بائیں
دو راستے تھے۔ یعنی دروازے جو اصل گھر کو جاتے تھے جو
اس اینٹ کے پیچھے تھا۔ بس ایک دن ہم نے دیکھا کہ شارک
اُسی گھر کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہی تھی اور ہُدہُد کا بچہ باہر
پھینک دیا ہُوا تھا اور ہُدہُد رسی پر جو دھوبی کی تنی ہوئی تھی
اس پر بیٹھا نہایت بے بسی کے عالم میں اپنا سر کبھی دائیں جانب
کبھی بائیں جانب ڈال دیتا تھا۔ بچہ اُس کی آنکھوں سے اوجھل
تھا۔ ورنہ وہ اس کے پاس بیٹھ جاتا ہم نے جب اُس کی ایسی
بے بسی دیکھی تو کرسی وغیرہ رکھ کر اس شارک کو* جسم ذرا ہدہد
سے بھاری ہونے کی وجہ سے وہ اس کے اندر پھنس کے رہ
گئی تھی جب امینہ نے اُسے کھینچنے کی کوشش کی تو کچھ اس کی
دم کے پر میری امینہ کے ہاتھ میں آ گئے پھر ذرا اور ہوشیاری سے
امینہ نے اُس کو نکالا اور اُڑا دیا بچہ اُٹھا کر گھونسلے کے اندر
رکھا۔ اب ہم ہر وقت اُس کی رکھوالی کرتے جانوروں کو ادھر
نہ جانے دیتے بس پھر ہُدہُد بالکل مطمئن ہو گیا۔ بس پھر
جانوروں کو ادھر کا خیال نہ رہا تو ہم نے بھی خیال چھوڑا۔
ایک دن کیا دیکھتے ہیں جدھر ہم نے چارپائیاں کھلی ہوا میں
درخت کے سایہ کے نیچے گھاس والی جگہ پر بچھائی ہوئی تھیں۔
تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہُدہُد نر اور مادہ اور ایک بچہ

* باہر نکالنے کی کوشش کی شارک کا

ٹھم ٹھم کرتے پھر رہے ہیں۔ مادہ بھی نر بھی اپنی لمبی چونچ
سے زمین کو ٹھونگ ٹھونگ کر کسی کیڑے کی تلاش میں ہیں
ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے نر کی چونچ میں ایک لمبی سی سنڈی
کی طرح کا کیڑا لٹک رہا تھا وہ کس قدر خوشی سے پھولا
پھولا ٹھم ٹھم کرتا مادہ کی طرف گیا۔ اس کی چونچ میں وہ
سنڈی دے دی اور وہ جیسے ناچتی ناچتی خوشی سے اپنے
بچے کی طرف بڑھی اُس نے اپنے بچے کے منہ میں دے دی
ہم یہ تماشہ دو تین دن دیکھتے رہے کہ نر زمین سے نکالتا
اور وہ مادہ کی چونچ میں دیتا اور مادہ بچے کے منہ میں
دے دیتی اور اُن کی شکلیں بس خوش خوش، خوشی سے
پھولی ہوئی لگتی تھیں بے انتہا خوش نظر آتے تھے۔ اسی
طرح خرگوش کی طرف دھیان کرو کہ بچہ ہونے سے پہلے
وہ اپنے سینے سے اُون نوچ نوچ کر زمین کے اندر سوراخ
میں بچھاتا ہے۔ کیا اس کی تصوّرات کی دنیا میں نہیں آتی
یہ بات کہ میرا نازک بچہ زمین کی سختی سے بچ کر اس گرم
نرم روئی میں آرام سے رہ سکے۔ اسی طرح گلہری اپنے بچوں
کو جنم دینے سے پہلے روئی کا گول مول گھر بنا لیتی ہے اور
وہ اندر سے صاف کھلا ہوتا ہے اور ذرا سا دروازہ جس
میں سے خود ہی کسی نہ کسی طرح گزر جاتی ہے۔ اندر بچے محفوظ

گرم گرم جب روئی لے جاتی ہے اگر بندہ اس کو دیکھ لے تو جھٹ اپنے گھونسلے کا راستہ بدل لیتی ہے کہ ان کو معلوم نہ ہو جائے کہ میرا گھر ادھر ہے پھر نظروں سے اوجھل ہو کر دوسرے ہی راستوں سے ادھر پہنچتی ہے پھر ان کے ارادوں میں تصوّرات میں کیا نہ ہُوا۔ ہاں کوئل بیچاری کو سارا دن گانے سے فرصت نہیں ملتی وہ گھونسلہ بنائے تو کیسے اس لئے اس کی تصوّرات کی دنیا کے اندر بھی ذرا جھانکئے اگر نہیں گھونسلہ بنایا تو نہ سہی لیکن اپنے انڈے کو بیٹھ کی طرح کہیں پھینک نہیں دیتی بلکہ اُس نے اپنے بچے پالنے نکالنے کے لئے کائیاں کوّے کو منتخب کیا ہے۔ کیسی ہے اس کی پہچان کہ اس کے گھونسلے میں اسے اپنے بچے محفوظ نظر آئے اور ایسا ہوشیار چالاک کوّا اُس نے اپنی دایہ گری کے لئے منتخب کیا پھر کیا۔ اب بھی شک ہے۔ جانوروں کی عقل اور تصوّرات میں ٭

پھر کیسے فریب سے وہ اُس کے گھونسلے میں انڈے رکھتی ہے۔ اس کا ذرا حال سنئے پھر انڈوں کے رکھنے کا فکر صرف مادہ کو ہی نہیں۔ نر بھی پیش پیش جیسے سب خبر ہے۔ نر کالا ہوتا ہے ہم نے بارہا دیکھا ہے پہلے نر کوّے کے گھونسلے کی طرف جاتا ہے۔ کوّی کوا۔ اور کوّی جو انڈے سہتے ہیں اٹھ اُس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اُڑتے ہیں پھر گھونسلہ خالی دیکھ کر جھٹ مادہ

کو موقعہ مل جاتا ہے وہ بعض دفعہ تو کوّے کے انڈے نیچے گرا اپنا انڈا دے جاتی ہے۔ بعض دفعہ انہیں انڈوں میں رکھ جاتی ہے جب کوّا کوی واپس آتے ہیں اپنا گھونسلہ انڈوں سمیت دیکھ کر تسلی کر لیتے ہیں۔

لیکن اکثر وہ کوّے کے انڈے تلف کر دیتی ہے۔ ہم نے صرف ایکدفعہ ایک کوّے کے پیچھے ایک کوّے کا بچّہ اور ایک کوئل کا بچّہ دیکھا تھا جب کوا کوی واپس آتے ہیں اپنا گھونسلہ انڈوں سمیت دیکھ تسلی کر لیتے ہیں۔ انڈے سہتے ہیں جب بچے نکلتے ہیں تو انہیں غذا خوراک کھلا کھلا دنیا میں کوئلیں بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سب کوئلیں جو کوکتی ہیں سب کوّوں کی ہی پالی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس پر بھی میں بہت کچھ لکھتی لیکن دوسروں کے لئے چھوڑتی ہوں تاکہ میری پیاری بچیاں نئے نئے موضوع پر قلم اُٹھائیں۔ اب شیریں فرہاد کے قصّے سنتے سنتے طبیعت اُکتا گئی ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۵۹) برائی کو قبول کر لیتا ہے تو ایسے وقت میں ایسی صحبت سے خلوت ہی اچھی اور انبیاء اللہ تو ایسے ناراستی کے بیماروں کے طبیب بن جاتے رہے اور صالحین بھی قرآن سے ایسے لوگوں کو شفا دیتے رہے اور جب بُرے لوگوں سے ہر ایک پرہیز کریگا تو ایسے لوگ پھر اپنے تئیں بھلا بنانیکی کوشش کریں گے۔
(۱۰) نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے اور گناہ جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم ڈرتے ہو کہ لوگ اُس سے واقف نہ ہو جائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث شریف

ماں کے قدموں تلے جنت ہے

کیسا پیارا کیسا مقدس نام ماں ہے۔ اس کو بولنے سے پہلے دونو ہونٹ اس طرح ایک دوسرے سے ملتے ہیں جیسے وہ ایک دوسرے کو چوم رہے ہوں۔ ماں گھر کی آبادی ہے۔ ماں بچے کی تسکین تسلی ماں کی گود میں بچے کو اس قدر تسکین ملتی ہے۔ ماں کے گرد خواہ بھٹی جل رہی ہو ماں کا دل خواہ غیر مطمئن ہو لیکن ماں بچے کے لئے خوشیوں تسلیوں کا مسکن ہے۔

لیکن آئے دن اخباروں میں عورت کے لئے مرد اور مرد کے لئے عورتیں ایسے طریقے سے مضمون نکالتے ہیں۔ کہ سوائے نفرت کے ایک کو دوسرے سے اور کچھ حاصل نہ ہو۔ مرد چاہتا ہے میں بڑا بنا رہوں اور عورت بیچاری چاہتی ہے کہ مرد مجھ پر اس قدر نہ چھایا رہے کہ نہ میری کوئی مرضی ہو، نہ کوئی میرا ضمیر۔ لیکن آج میں نے اس لئے قلم اٹھایا ہے جو عورت کا صحیح درجہ ہے اس پر روشنی ڈالوں

تاکہ اس کے بچّے اس کا ادب کریں اُس کو ذلیل نہ کریں کیونکہ جو ماں ذلیل ہوگی اُس کے بچّے عزّت والے نہیں ہو سکتے۔ بس عورت ایک ماں ہے۔ بے شک اس کو ماں بنانے میں مرد کا حصّہ ہے۔ لیکن ماں اس لفظ کی لپیٹ میں تو سارا جہاں ہے کل جاندار چیزیں ماں کے پیٹ سے جنم لیتی ہیں پھر ماں اس کو جنم دے کر بے سہارا نہیں چھوڑ دیتی۔ اُس کو سینے سے لگا لیتی ہے۔ اپنے جسم میں سے جو غذا بنتی ہے۔ یعنی دودھ اپنے سینے سے پلاتی ہے اور راتوں کی نیند حرام کر لیتی ہے۔ خود دُکھ اُٹھا کر بچّے کے سُکھ کی تدبیریں سوچتی ہے بس بچہ پیدا ہو جانے پر ماں کا اپنے لئے وجود ہی مٹ جاتا ہے۔ وہ صرف ہوتی ہے بچّوں کے لئے۔ اس کے ساتھ جناب حالی رحمتہ اللہ علیہ کی وہ نظم بھی درج کروں گی جس کے شعر اس مضمون کے بعد میں ہیں عورت جب ماں بن گئی اُس نے اس ماں بننے کو عمدگی سے نباہا گو اُس کو ایک مرد نے شوہر بن کر ماں بنا دیا تو وہ بھی اپنے شوہر بننے کے بعد باپ بن کر اس بات کو پوری طرح نباہے کہ بن گئی ماں کو مطمئن خوش رکھنے کی پوری کوشش کرے اس کو فارغ البال آسودہ رکھے اور اس کی عزّت کرے اس سے محبّت کرے تاکہ وہ بغیر کسی دوسرے غموں، اندیشوں کے وہ اپنی اولاد کو اچھی طرح پال سکے اچھّی طرح تربیت دے سکے۔ اُیسے اطمینان اور بچّوں کے

ماں باپ کے درمیان محبت کے سبب جو گھر کا ماحول ہوگا اس گھر کے بچے بہت اچھے ہونگے اور جو عورت ماں بننے کے بعد صرف بیوی سمجھی جاوے گی اور جو مرد باپ بن جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو شوہر ہی سمجھتا رہے گا اور اسی چیز کو سمجھ کر کہ تو میری بیوی ہے وہ کہے گی تو میرا شوہر ہے تو بس پھر وہ اپنی بڑائی چلاے گا اور وہ اپنی بڑائی چلاے گی تو سوائے خانہ خرابی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ بس عورت ایک ماں ہے اور جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اس لئے ماں کو آسودہ رکھو۔ ماں کی عزت کرو۔

ریاست بہاولپور میں مَیں نے دیکھا کہ دودھ پیتی بچی کو بھی عزت سے ماں کہہ کر پکارتے ہیں۔ عام عورت کے واسطے مائی کا لفظ ہی ہے۔ بس عورت ماں ہے اس کی عزت کرو اور وہ جنت حاصل کرو۔ جو ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ میں بڑے ادب سے جناب حالی رحمۃ اللہ علیہ کی نظم جو ایک لڑکی یعنی عورت کے لئے لکھی گئی ہے درج کرتی ہوں:

اقوال مبارک حضور صلعم

لوگوں میں عداوت ڈالنے سے بچو کیونکہ یہ عادت سب بھلائیوں کو مٹا دینے والی ہے۔ علم تلاش کرو۔ اگر چین میں ہو۔

جو آدمی کسی آدمی کے ساتھ خدا کے لئے محبت رکھتا ہے۔ وہ خدا کی تعظیم کرتا ہے۔

شریف بیبیاں

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی حشمت تم سے ہے!
ملکوں کی بستی ہو تمہیں - قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں - شہروں کی ہو آبادیاں
غمگین دِلوں کی شادیاں - دکھ سُکھ میں راحت تم سے ہے
تم ہو تو غربت ہے وطن - تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس - جینے کی حلاوت تم سے ہے
نیکی کی تم تصویر ہو - عِفت کی تم تنویر ہو
ہو دین کی تم پاسباں - ایمان سلامت تم سے ہے
فطرت تمہاری ہے حیا - طِینت میں ہے مہر و وفا
گھُٹی میں ہے صبر و رضا - اِنسانی عمارت تم سے ہے
مردوں میں ست والے تھے جو - ست بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ستونتیو - لے دے کے اب ست تم سے ہے
مونس ہو خاوندوں کی تم - غم خوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب - گھر بھر میں برکت تم سے ہے
تم آس ہو بیمار کی - ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی - عسرت میں عشرت تم سے ہے
آتی ہو اکثر بے طلب دُنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سے اپنی گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

(مولانا حالی مرحوم)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خدائی مسافر خانے

آج دنیا میں بہت اچھے اچھے مسافر خانے بن گئے ہیں۔ گھروں سے زیادہ آرام ان مسافر خانوں میں ہیں۔ کہیں سے کہیں چلے جائیں دنیا کے کسی حصّے میں سفر کرو۔ آپ کے لئے مسافر خانے یعنی ہوٹل منتظر اور منتظم منتظر کیونکہ آپ کے دم سے ہی ان کی آبادی ہے۔ اگر ان میں مسافر نہ اُتریں تو مسافر خانے ہی ختم ہو جائیں۔ لیکن آپ جتنے دن اُن میں ٹھہریں جو کچھ کھائیں پئیں جتنے دن اُن کے بستر تولیے کمرے استعمال کریں وہ کوڑی کوڑی کا بل بنا کر آپ سے پائی پائی وصول کریں گے۔ بس ان مسافر خانوں میں آرام اُٹھانے کے لئے آپ کی جیب ہر وقت گرم رہنی چاہیئے اب خدائی مسافر خانوں کا بھی کچھ حال سنئے جہاں ایک مسافر کے اُترنے کی اطلاع پہنچتی ہے مسافر خانے کے منتظم اسی دن سے مسافر کی آؤ بھگت کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں اس کے آنے سے پہلے اس کی ضرورت کی ساری چیزیں بستر چارپائی کپڑے برتن جمع کر لئے جاتے ہیں بس جب مسافر نے مسافر خانے میں قدم رنجہ فرمایا۔ شادیانے بجنے لگتے ہیں مبارک

سلامت کا شور خیر خیرات مبارکباد دینے والوں کا مٹھائی سے منہ میٹھا کروایا جاتا ہے اتنی خوشی جتنی ہوٹل والوں کی حیثیت ہوتی ہے خوشی ظاہر کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ جب ذرا مسافر اپنی تھکن اتار کر کچھ ہوش میں آتا ہے وہ سارے ہوٹل کا جائزہ لیتا ہے بس اس کو کون سمجھے یہ مسافر ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی ہوٹل کا مالک ہے اس کی ساری خواہش ساری ضرورتیں بغیر کسی قسم کے معاوضے کے پوری کی جاتی ہیں اور تب تک اس کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے جب تک یہ اس ملک کے لوگوں سے آشنا ہو کر وہ ایک ہوٹل نہیں کھول لیتا اور پھر

یہ مسافر خانے تمام دنیا میں پھیلے پڑے ہیں۔ لیکن ان مسافر خانوں میں زیادہ سے زیادہ دس مسافروں کے اور گنجائش نہیں۔ یہ مسافر جب تک سب میں مل جل نہیں جاتا اس کی ہر خواہش ہر آرام کا احترام کیا جاتا ہے اس کو اس ملک کے بندوں میں رہنے سہنے کے قابل بنایا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کو اسکا ایک اور ساتھی ڈھونڈنے میں مدد دی جاتی ہے اور اس تگ و دو میں بھی مسافر خانے کے منتظم سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے کرتے یہاں تک کہ مسافر خانے کے منتظم بڈھے

ہوجاتے ہیں۔ ان کے بال سفید ہوجاتے ہیں اس آئے ہوئے مسافروں میں اپنا یہ خدائی مسافر خانہ تقسیم کرکے خود کسی دوسری دنیا کا سفر اختیار کرلیتے ہیں پھر انکو اُدھر کوئی اور مسافر خانے پناہ دے دیتے ہونگے اور اُدھر بھی انکے لئے عزیز و اقارب منتظر ہوتے ہونگے جب یہاں خدا کی باتیں خدا ہی جانے

پیاری اُمینہ کی دلفگار اماں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب سے بھلا روپیہ

ایک آیت کا ترجمہ

نہ اتنا بخیل بن کر ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ لے

نہ اس قدر خرچ کر کہ خود لاچار ہو جاوے

فارسی کا ایک شعر

اے زر تو خدا نیست ولے بخدا

ستار العیوب و قاضی الحاجاتی

اور سنئے :- سب سے بھلا روپیہ

باوا بھلا نہ بھیا سب سے بھلا روپیہ

جیدوں روپیہ نبٹن لگا نسبٹ گئے سب بھیا

سب سے بھلا روپیہ

ہاں سچ ہے بغیر روپے کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔
ماں باپ ہے تو روپیہ رشتہ دار ہے تو روپیہ دوست یار ہے۔ تو روپیہ اب تو اس قدر اخلاق پست ہو گئے ہیں۔ کہ کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ کوئی کسی کا یار و مددگار نہیں۔ صرف سب کچھ ہے تو روپیہ

جو کچھ کہو سو زر ہے۔
زر ہے عطا الٰہی ۔ زر بن نہ بہت بھائی
زر میاں حضرت کہاوے
زر قدرت کے پر لگاوے
زر اللہ سے جا ملاوے
جو کچھ کہو سو زر ہے

لیکن آج کل کیا کیا جاوے یہاں تو زر عنقا ہی ہو گیا۔ آج کل ننگی نہائے گی کیا تو نچوڑے گی کیا۔ لیکن پھر بھی اتنا عرض کروں گی جس وقت بھی کسی انسان کے پاس اتنا آئے کہ وہ تھوڑی سی تکلیف اُٹھا کر بھی کچھ پس انداز کر سکے تو ضرور کرے۔ نیز اگر آج لوگ ہماری طرف اُس طرح نہیں دیکھتے اور ہماری راہ میں آنکھیں نہیں بچھاتے جیسے چند دن ہی پہلے جب ہمارے پاس روپیہ تھا تو دیکھتے تھے تو کوئی افسوس بھی نہ کرنا چاہیئے

کیونکہ یہ تو دنیا کا دستور پرانا ہے اگر زر کی وجہ سے ہی بندے کی عزت نہ ہوتی۔ تو بیچارے چوہڑے چمار اور باقی غریب پس ماندہ قوموں نے دوسروں کا کیا بگاڑا تھا کہ انہیں ہمیشہ قابلِ نفرت سمجھا گیا اُن سے ذلیل سے ذلیل خدمت لی گئی وہ انسان زر کے بغیر کتوں سے بدتر سمجھے گئے۔ بس اس کا مطلب یہ ہے زر کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں اگر عزت کروانے کو دل چاہتا ہے۔

ذلت سے بچنے کو دل چاہتا ہے تو زر کو ہمیشہ سنبھال کر رکھو اور مناسب جگہ کے سوا فضولیات میں روپیہ ضائع نہ کرو ورنہ درماندہ ہو کر بیٹھ رہو گے ؎

گھر بکدیاں دے تیرے ساک (رشتہ دار) سارے
بھکھیاں دا کوئی ساک ناہیں
چلدیاں دے تیرے یار سارے
ٹٹ گیاں دا کوئی روا دار ناہیں

فقط: اپنی پیاری بیٹی امینہ کی
دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم

جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے۔ خدا اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔
ایذا رسانی سے بچنا بھی ایک صدقہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انسانی ارتقا

گارے میں سے سبزہ نکلا ۔ سبزے کی روح نکال کر حیوانات بنائے ۔ حیوانات ۔ جس کی روح سے انسان بنا پھر انسان میں اللہ تعالےٰ نے اپنی روح پھونکی یعنی وحی کے ذریعہ سکھایا پڑھایا تو وہ پھر فرشتوں سے افضل ہوا ۔ ہمارا بننا اسی طرح ہی ہے ہم کو خدا نے پہلے گارے میں چھپایا ۔ خدا کی مرضی ایسے ہی تھی اگر وہ چاہتا تو پہلے ہی انسان بنا لیتا ۔ لیکن اب جب خدا نے اسی دستور سے بنایا اس نے یہی طریقہ اختیار کیا خدا اپنا طریقہ کبھی نہیں بدلتا وہ خود بھی اپنے طریقے کی پوری پابندی کرتا ہے اس کے اپنے ارادے اس کی اپنی مرضی لیکن اب انسان جن جن راستوں سے گزر کر آیا ہے اگر کوئی کہے کہ پھر تو ان راستوں پر جا ۔ اگر خدا کی مرضی ہو تو انکار تو ہے ہی نہیں ۔ آخر ایک گندگی کا کیڑا بھی ۔ ہماری آنکھوں کے سامنے گندگی میں پرورش پا رہا ہے ۔ آخر وہ بھی اک جاندار ہے لیکن ہمارے مہربان خالق نے اس کے لئے گندگی ہی شہد بنا دی ہوئی ہے ۔ وہ وہاں گھبراتا نہیں ۔ یہی تو

ہے فرمانبرداری۔ لیکن مولےٰ ہمارا آقا ایسا نہیں کہ اپنی مخلوق کو اس قدر تنگ کرے کہ مزاج تو بنا دے پھولوں سے رس لے چوسنے والی شہد کی مکھی جیسا اور اس کو دے دے غوطہ نرکس میں ، گندگی میں۔ وہ ضرور اس کو اس میں خوشی سے رہنے والا بنا دیتا ہے ٭

مولا کی مرضی جس حال میں چاہے رکھے لیکن اس وقت کسی ہوش وحواس والے انسان سے کہا جاوے۔ جو اس ساری پیدائش کو سمجھ گیا ہو تو وہ کبھی پھر پچھلا سفر نہ کرنا چاہے گا وہ دیکھی بھالی چیزوں کے سوا اور نئی چیزوں کا طلبگار ہوگا اس انسان میں تو جیسا میں زندگی کی کہانی میں بتا آئی ہوں وہ پہلا سارا جہان سما چکا ہے وہ پہلی چیزوں کے جسموں کے سوائے سارا وہی کچھ ہی تو ہے۔ انسانوں کی قسم قسم کی زندگیوں میں آپ اُسے جھانک سکتے ہیں وہ شہد کی مکھی بھی ہے وہ عام دوسری مکھی بھی ہے۔ وہ شیر بھی ہے وہ چیونٹی بھی ہے وہ سب کچھ میں زندگی کی کہانی میں لکھ آئی ہوں۔ لیکن ایک حشرہ جو آجکل گندگی کی گاڑی میں مزے مزے حقہ پیتا جا رہا ہو۔ اُس سے اگر کہا جاوے کہ تجھے مکھی بنا کر اس گاڑی پر بٹھا دیا جائے جس کی روح اس وقت تجھ میں نظر آ رہی ہے تو وہ ترقی پایا ہوا انسان کبھی نہ چاہے گا کہ میں مکھی ویسے بھی بن جاؤں

یا یہ شیر صفت انسان کبھی نہ چاہے گا کہ میرا جسم بھی شیر کی طرح کا ہو جاوے ۔

اب سنئے میرا سارا مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ جب انسان اس انسانی قالب کو چھوڑ کر کسی اور دنیا میں کسی اور طرح کے جسم میں پہنچ جاوے گا تو کبھی نہ چاہے گا کہ میں پھر اس جسم میں جاؤں بے شک اس میں ایک انسانی رنگ ضرور نظر آرہا ہو گا ۔

لیکن اسے جسم ضرور کچھ اس سے بہتر ہی ملے گا وہ کبھی اس چھوڑے ہوئے قالب میں جو اس موجودہ قالب سے گھٹیا ہو گا۔ وہ کبھی پھر پہلے جیسا بننا گوارا نہ کرے گا۔ جیسے اب وہ کبھی نہ چاہے گا کہ میں پہلے چھوڑے ہوئے قالبوں میں جاؤں۔ مگر ان گھروں میں کبھی نہ آنے کو اس کا دل چاہے گا۔ جیسے وہ کبھی نہ چاہے کہ میں چوہے کے بل میں رہوں۔ اس طرح اور سب خیال کر لیں فقط

پیاری آمینہ کی

دلفگار اماں

اقوال مبارک حضور صلعم

(۱۱) مومن اپنے حسن واخلاق سے رات بھر جاگنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ رکھتا ہے ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خوابوں کی دُنیا

میری پیاری والدہ پر ہزاروں بلکہ بے گنت سلام ہوں۔
جب ہم صبح کو آپس میں خوابوں کا ذکر کرتے جب ہم بہن بھائی جاگتے اور اپنے اپنے خواب دیکھے ہوئے ایک دوسرے کو بتاتے تھے تو وہ تڑپ کر اس طرح دریافت کرتیں۔ جیسے سچ مچ ہی ہم کسی دوسری دنیا سے اس کے لئے کچھ خوشخبریاں لائے ہیں اور خدانخواستہ اگر کوئی خواب بُرا دکھائی دیتا تو وہ ایسی غمگین ہو جاتی جیسے اُسے پہلے ہی کسی آنے والے دکھ کی خبر لگ گئی ہے۔ مجھے یاد نہیں رہا کسی نے ایک دفعہ کہا کہ خواب ہے۔ سچ تھوڑا ہی ہے اگر خواب میں کچھ اچھا بھی دکھائی دے تو پھر کیا آخر خواب خواب ہے میرے والد صاحب خدا اُن کو بھی جنّت میں جگہ دے اُنہوں نے فرمایا کہ خواب بیشک خواب ہے۔ لیکن ہم زندگی کا تیسرا حصّہ سو کر گزارتے ہیں، اگر بُرے خوابوں کی بجائے اچھے خواب آتے رہیں تو یہ بھی اچھی بات ہی ہے۔ سو ایک تو انسان کی روح بھی سوتی نہیں۔ جب ادھر سے آنکھ بند

ہوتی تو خدا جانے کہاں کہاں اور کن آنکھوں سے کیا دیکھتی پھرتی رہتی ہے
خوابوں کی دُنیا بھی عجیب و غریب دُنیا ہے
خوابوں کے لئے ہم وثوق سے تو کچھ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ہر
قوم کے خوابوں کے لئے الگ الگ خیال ہیں۔ لیکن میں نے
چند ایک خواب ایسے دیکھے ہیں جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے
خوابوں میں کسی آنے والے واقعہ کی اطلاع کا ہو جانا ہمیں
حیرت میں ڈال دیتا ہے اور روح کے خفیہ بھیدوں کا پتہ
دیتا ہے جو ابھی تک خود ہمیں اپنی سمجھ بھی نہیں یہ انسان
خدا جانے کس ترکیب سے بنایا ہے اور خدا جانے اس
روح کے کیا کچھ بھید ہیں جو خود ہماری روح پر بھی
نہیں کھلے۔ رُوح کا علم روح کو بھی
نہیں۔ وہ زندہ رہ کر جاگتی ہے تو اُس کے
دیکھنے کا ذریعہ آنکھیں ہیں وہ اُس سے ہر چیز کو دیکھ لیتی
ہے۔ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی دُور سے دور کی لیکن
جو کچھ اس جاگتی دنیا میں ہے صرف وہ ہی دیکھتی ہے لیکن
جب ہم سو جاتے ہیں تو نہیں پتہ وہ دوسری اس کی کون سی
آنکھیں ہیں جن سے وہ بعض وقت اسے روشن خواب
دیکھتی ہے۔ جو بالکل اسی جاگتی دنیا کا دیکھا ہوا واقع لگتے
ہیں۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔

سنہ ۱۹۵۲ء کی بات ہے ماہ جون میں رمضان شریف میں
میں اور میری بیٹی فوزیہ خانم ہم دونوں روزہ رکھنے کے لئے
سحری کے وقت اُٹھتیں تو میں سحری سے فارغ ہو کر اپنی
بیٹی کو قرآن مجید پڑھاتی کیونکہ وہ کہتی تھی پھر سکول سے
فرصت نہیں ملتی۔ پھر میں گیارہ نفل پڑھتی اور اس کے بعد
صبح کی نماز پڑھ کر ذرا لیٹ جاتی۔ لیکن جس دن صبح عید
تھی۔ اس دن میں سحری کے وقت نہیں اُٹھی اور صبح اُٹھ کر
ویسے بدستور میں نے نفل پڑھے اور نماز بھی پڑھی۔ پھر
دوسری رات بھی اسی طرح سو کر گزر گئی میں رات کو نہ اُٹھی پھر
تیسری رات میں اپنے پلنگ پر سوئی ہوئی تھی جیسے میری آنکھوں
کے سامنے کوئی ۱۲ فٹ چوڑا ۱۲ فٹ لمبا یعنی پورا چوکور کوئی
۱۰ فٹ بلند یا حد ۱۲ فٹ کا اُونچا ایک کمرہ سا دکھائی دیا اس
کا صرف ایک دروازہ تھا۔ مجھے اس کمرے کا اندر نظر آرہا تھا۔
اتنی روشنی تھی جیسے صبح کی ہوتی ہے مجھے بخوبی اس کی دیواریں
چھت نظر آرہی تھیں نہ تیز روشنی بس صبح جیسی۔ میں نے
اپنے دل میں جیسے یہ خیال کیا کہ یہ میرا سینہ ہے میں اپنے
سینے کو دیکھ رہی تھی ایک کمرے کی صورت میں۔ بس میں سوچ
ہی رہی تھی کہ یہ میرا سینہ ہے تو مجھے مردانی بھاری رعب والی
پُر وقار گونج دار آواز جیسے کوئی گنبد والے مکان سے آئے

آئی کہ اُٹھ تین بج گئے ہیں۔ میں اسی وقت بغیر رُکے آواز کے ساتھ مشین کی طرح اُٹھ کر پاؤں پلنگ سے نیچے لٹکا کر جوتا پاؤں سے ہی بغیر کچھ سوچے سمجھے ڈھونڈنا شروع کیا تو بس عین اسی وقت کلاک نے ٹن ٹن ٹن تین بجا دئے خیر میں نے اس دن کچھ اتنا زیادہ محسوس نہ کیا بس اُٹھی اُٹھ کر گیارہ نفل بھی پڑھے اور نماز بھی پڑھی پھر میں لیٹ گئی۔ اب دوسرے دن بغیر کچھ دکھائی دئے مجھے ایسی ہی پروقار آواز سے کہتے سُنا۔ تین بج گئے ہیں۔ جب پھر بدستور میں ویسے ہی تیزی سے اُٹھی۔ پاؤں نیچے کئے۔ جوتی کو ٹٹولا تو بس کلاک نے ٹن ٹن ٹن تین بجا دئے۔ بس دوسرے دن میں بڑی حیران ہوئی یا اللہ کیا ماجرا ہے کہ جب کوئی جگانے والا جگاتا ہے اور تین بجے کی اطلاع کرتا ہے آخر پھر میں اس آواز کو سچی آواز نہ سمجھوں جس کی تصدیق اُسی وقت جھٹ پٹ کلاک تین بجا کر کر دیتا ہے۔ سو میری لڑکی امینہ خانم کو ۹ سال پورے ۲ ماہ ہو چکے ہوئے تھے جنت کو سدھارے جوان پہلوٹھی کی بی اے اور آرٹ ٹیسٹ پیانو بجاتی۔ اٹھارہ دن ٹائیفائیڈ میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکی تھی۔ اور میں نے اس کا بہت غم کیا ہے اور میں تقریباً تارک الدنیا ہو گئی ہوں۔ بس موٹا سوٹا کھا لیا

اور اُتار پھینک لیا یہ ہے میری زندگی ملنا ملانا ترک کر چکی ہوں۔
اس طرح جب میں نے خواب میں آواز کو سُنا اور کلاک نے بھی
اسی وقت دو دن متواتر تین ہی بجائے۔ ایسے اتفاق ہی سمجھ
لیجئے لیکن میں بہت پُرامید ہو گئی کہ خدا جانے یہ کیا بات ہے
اگر سچ ہی ہے تو پھر مجھے تو اب غم کو بھول جانا چاہیئے۔
میں نے بڑی بڑی اُمیدیں لگالیں اور بجائے خدا کے مل جانے
کی خوشی کے مجھے یہ خوشی ہوئی یہ تو اب راز ہی کھل جائینگے
تین بجے ہی اُس کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی تھی۔
میری بچھڑی ہوئی آمینہ ہی مل جائے گی اب تو ساری مشکل
ہی حل ہو جائے گی۔ اس طرح میں شیخ چلی کی طرح سوچتی گئی اور میں
دوسرے دن اس آواز کی منتظر ہی رہی۔ کوئی آواز نہ آئی نہ میں نے
کسی کو کچھ اس کے متعلق بتایا میں نے سوچا کہ بتا دینے
سے شاید پھر وہ آواز نہ آئے۔ پھر میں متواتر تین دن انتظار
کرتی رہی لیکن مجھے پھر کوئی آواز نہ آئی۔ پھر میں گھڑی میں الارم
لگا کر رکھتی اس وقت جاگتی۔ نفل پڑھتی رہی۔ لیکن پھر مجھے
آج تک اس قسم کا کوئی خواب نہ نظر آیا۔ دنیا میں
خواب کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض خیالی
خواب بھی ہوتے ہیں۔ یعنی جو کچھ
انسان خیال کرتا ہے وہ خواب کی

دنیا میں دیکھ لیتا ہے۔ اُن کا سچ ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وہ تو ہمارے اپنے تصورات خواب کے عالم میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ خواب جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے اور اس قدر روشن کہ جاگنے پر دماغ اُنہیں بھلا نہیں سکتا اکثر سچے ہوتے ہیں پھر دو خواب میں نے بیحد عجیب دیکھے ایک تو میں نے 1945ء میں دیکھا وہ تو ایک کہانی لگتی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اُس خواب کا جو سالس سالس ہے وہ مجھے یاد ہے اور جو خیال میں بات گزری وہ بھی یاد ہے اور وہ خواب یہ ہے۔ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر آئی ہوں کہ میری پیاری آمینہ پہ ہزاروں سلام ہوں وہ مجھے ۵ اپریل کو تڑپتا چھوڑ گئی تھی وہ مجھے 1945ء جنوری کی 5 تاریخ کو مجھے نظر آئی جیسے ایک بہت بڑا ہال ہے اور بہت لوگ جمع ہیں۔ لیکن اس ہال کی چھت جستی چادروں کی ہے جیسے اسٹیشن کے پلیٹ فارموں کی ہوتی ہے بس میں نے دفعتاً دیکھا تو میری بیٹی آمینہ ایک سکھ لڑکی جو شاید اس کی ہم جماعت رہ چکی ہے۔ اُس کی ماں سے اُس کی خیریت دریافت کرتی ہے اور پاس ہی ایک سکھ

ہے جس نے کوئی دو گز لمبا کپڑا کالا سیاہ اپنے سر سے گھٹنوں تک ڈالا ہوا ہے۔ وہ سکھ بڑے لمبے قد کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سات فٹ سے کسی طرح کم کا نہیں ہوگا۔ بس تو رامیرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اپنی بڑی شرافت دکھاتا ہے کیونکہ یہاں عورتیں بھی ہیں۔ اس لئے اس نے اپنا منہ ڈھانپ رکھا ہے پھر جو دیکھتی ہوں۔ اس نے وہ کپڑا اُتار دیا اس کی داڑھی چندھی چھوٹی لمبا سا منہ رنگت زردی مائل اور اس کے منہ پہ بہت لمبے لمبے ایسے داغ ہیں سیاہی مائل، جیسے موغلی پھوڑے سے پڑ جاتے ہیں ان کا سارا چہرہ داغدار ہے پھر میں نے ادھر سے توجہ ہٹا کر اپنی لڑکی کو دیکھنا شروع کیا میں نے کہا یہ تو میری بیٹی امینہ ہے جب وہ اس کے پاس کھڑی تھی اتنی ہی عمر تھی جس عمر میں وہ مجھ سے جدا ہوئی لیکن جب میں نے اس کا پیچھا کیا تو وہ کوئی بارہ سال کی دکھائی دیتی ہے۔ جب میں اُس کے پاس پہنچی تو وہ چل پڑی۔ میں اس کے پیچھے چلنے لگی وہ ٹھہر گئی ۔ اور میں نے اُسے اپنے سینے سے لگا لیا اور میں نے اُس کا منہ چوم لیا اور میرے دل میں خیال آیا کہ کون کہتا ہے یہ مر گئی ہے اس کا جسم نرم گرم ہے اس کے دل کی دھڑکن میرا سینہ محسوس کر رہا ہے۔ جب میں نے اس کا منہ چوما تو پھر اس نے کہا کہ مجھے پیار کرنا اچھا لگتا ہے

میں نے جواب دیا۔ ہاں مجھے اچھا لگتا ہے (یعنی میرا مطلب یہ تھا کہ تیرا منہ چومنا مجھے اچھا لگتا ہے) لیکن اُس نے شاید دوسرا ہی مطلب لیا اُس نے میرا منہ چوما۔ لیکن اس کے بعد اس کی کوشش تھی کہ میں اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاؤں کبھی وہ چلتے چلتے پیچھے ہو جاتی اور میں بھی ساتھ مڑ جاتی۔ کبھی وہ ایکدم آگے ہو کر چھپ جانے کی کوشش کرتی لیکن میں ساتھ ساتھ مڑتی گئی۔ بس جب دیکھا کہ میں اس کی کوشش کو ناکام بنا رہی ہوں تو اُس نے پھر سے ساتھ چلنا شروع کیا۔ ہم چلتے چلتے ایک گلی میں چلے گئے۔ اب وہ گلی سامنے سے ایک چھوٹی سی دیوار سے بند تھی جس پر انسان آسانی سے چڑھ کر دوسری طرف جا سکتا تھا۔ لیکن ایک دائیں جانب پرانی قسم کا بلی والا دروازہ تھا۔ بہت شاندار بھی نہ تھا۔ یہ ایسا ہی لکڑی کا دروازہ تھا۔ کبھی میری لڑکی نے ایک دفعہ ایسا ہی خدا کا در بنایا تھا۔ کیونکہ میری لڑکی آرٹسٹ تھی اور اس دروازے کے آگے میری پیاری امینہ نے اپنے آپکو بیقرار حالت میں بٹھایا تھا اور نیچے دُعا سریانی کے شعر لکھے تھے۔ اب مجھے خواب سے الگ یہ چیز بھی لکھنی پڑی ہے یہ خواب کا حصّہ نہیں امینہ نے لکھا تھا

یارب بیتوں آس فضل دی۔ تیرے روپ انوپ وصل دی
ساتھوں دور کریں غم سارے۔ اساں ڈھٹے آن تیری سرکارے

ڈھیئے نوں کی مار ہٹانا　　عاجز نوں کی پیا سکانا
فضل کریں تو عاجزاں اُتے　　ہے شوق تینوں غفار بڑا

بس دروازہ اس نے یہ بند ہی رکھا تھا۔ جب وہ مجھے اُس تے تصویر دکھائی تو میں نے اُسے کہا کہ تو نے خدا کا در بند کیوں کیا۔ اس کو تصویر میں کھول دینا تھا۔ بس اس نے اسی وقت ربڑ سے بُجھا کر در کو ذرا کھول دیا۔ مجھے کیا خبر کہ اس در کا کھلنا ایسا ہوگا، آمینہ اس دروازے میں داخل ہو کر اپنے رب کے پاس ہی پہنچ جاوے گی۔ بس وہ ایسا ہی دروازہ تھا جیسا امینہ نے پنسل سے کبھی خدا کا در بنایا تھا۔ بس جی دائیں طرف وہ دروازہ تھا۔ اب ہم اس دیوار کے پاس ٹھہر گئے اب امینہ نے کہا کہ تو اس دیوار کے اُوپر لیٹ جا۔ جب کروٹ لیگی تو دوسری جانب چلی جائیگی۔ بس میں تو یہ سب کچھ خواب میں دیکھ رہی تھی لیکن میرے دل میں اسوقت خیال آیا کہ یہ شاید مجھے دوسری دنیا میں نزع کا وقت ہوگا لوگ تو مجھے پلنگ پر پڑی ہوئی دیکھ رہے ہوں گے اور مجھے اس طرح دکھائی دے رہا ہے۔ میں دیوار پر چڑھ کر سیدھی . . . . . . لیٹ گئی لیکن مجھ سے ادھر گرا نہ جاوے۔ میں نے آمینہ سے کہا کیا بات ہے اب میں دوسری طرف گرنے میں نہیں آتی۔ اس نے کہا کہ آپ اپنا توازن ٹھیک رکھیں ناں پھر آپ دوسری طرف جائیگی۔

اب جو میں نے کروٹ لی تو میں دیوار کے دوسری طرف اور امینہ اُدھر کی طرف کھڑی تھی۔ پہلے تو میں نے آمینہ سے کہا کہ اب تو میں یہاں آگئی۔ اب تو نہ جاؤں گی اُس دنیا میں بس میں یہاں آگئی اور ساتھ ہی خیال آیا کہ صرف فوزیہ ہے چھوٹی تب وہ قریباً پونے سات سال کی تھی۔ میں نے کہا صرف مجھے فوزیہ کا خیال ہے خیر ہے اس کی خالہ اور اس کا ابّا ہے وہ اسے دیکھ لینگے میں تو چھوٹ گئی اُس جہان سے جیسے ہی میں نے آمینہ سے کہا کہ اب تو میں نہ جاؤں گی۔

اس نے میری اس بات کا کوئی جواب نہ دیا صرف اداس سی صورت سے کہا کہ یہ برزخ ہے آپ اس میں ایک سال رہیں گی۔ اچھا پھر آمینہ نہ جانے کدھر چلی گئی اور میں دیوار کے پاس اکیلی کھڑی رہ گئی۔ اب میرے دل میں خیال آیا کہ چلوں برزخ کو دیکھوں۔ اب جب وہاں سے ایک عمارت کی طرف چلی تو راستے میں مجھے ایک کتا نظر پڑا جو ایسا ڈگ جیسا تھا۔ لال رنگ کا لیکن مجھے اُس نے کچھ نہ کہا۔ پھر میں نے اسی عمارت کے اندر چلی گئی جو کچّے گارے سے بنی ہوئی تھی اور اس میں کوئی چوکھاٹ نہ تھی دروازے تو تھے لیکن چوکھاٹ اور تختے نہ تھے۔ بس بغیر تختوں کے۔

میں پہلے کمرے میں جب گئی تو ایک تخت پر ایک مریضہ

میلے چیکٹ کپڑے اور اس کا پیٹ ننگا اور پیٹ میں لال سُرخ کھلا زخم جس میں ہاتھ آسانی سے سما سکے لیٹی ہوئی اور پاس ویسے ہی تخت پوش کے اُوپر تیمار دار جس کے ہاتھ میں ایک فٹ لمبی لکڑی پر روئی لپیٹی ہوئی اور وہ اس زخم میں پھیر کر صفائی کر رہی تھی وہ بھی میلی کچیلی تھی - میں دوسرے کمرے میں چلی گئی تو ایک کے سینے یعنی پستان میں زخم تھا ویسا ہی بھیانک - اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس کے سینے کو غیر مرد نے ہاتھ لگایا ہوگا جس کی سزا بھگت رہی ہے پھر تیسرے کمرے میں گئی تو ایک لڑکا کوئی ۱۴ سال کا ہوگا اُس کی ٹانگیں دونوں کانوں کے ساتھ اُوپر کو ملائی ہوئی تھیں - اور ... وہ لڑکا ایسا لگتا تھا جیسے تیل جلتے میں سے نکالا ہُوا مشک کی طرح کا اس کا رنگ تھا اور مشک کی طرح وہ پھولا ہُوا تھا - بس یہ منظر دیکھ کر میرے حواس باختہ ہوگئے میں جدھر سے گئی تھی ادھر کو ہی بھاگی تو راستہ میں ایک لڑکا تہبند باندھے گلے میں میلا سا کرتا پہنے جا رہا مجھے ملا میں نے اُس کے پاس جاتے ہی دریافت کیا کہ یہ جو یہاں بیمار ہیں یہ پہلے ہی ایسے آتے ہیں کہ آکر اس طرح ہوگئے بس اُس نے مجھے کہا کہ یہاں آنے کے تیسرے دن یہ ایسے ہونا شروع ہوتے ہیں - بس میں بے تحاشہ اُسی

دیوار کی طرف جا رہی تھی اور ساتھ اپنے پیڈوؤں پر ہاتھ رکھا ہُوا تھا میں سوچ رہی تھی کہ اب میری بیماری بھی نمودار ہو رہی ہے بس جب میں اُسی دروازے کے پاس لیکن دیوار کے اندر پہنچ گئی تو وہاں میں نے ننّوں کی طرح کی نرسوں کو دیکھا جو سب گورے رنگ کی تھیں میری باتیں سمجھ سکتی تھیں۔ میں نے انہیں یہ کہا کیونکہ میں اپنے کو مرا ہُوا تصوّر کر رہی تھی۔

ان کے کہنے سے پہلے میرے دماغ میں خیال آیا کہ یا اللہ جب وہاں تھے تو یہاں کی خبر نہ تھی اور جب یہاں ہیں تو یہاں کی خبر ہم کسی کو بتا بھی نہیں سکتے۔ بس پھر میں نرسوں کی طرف متوجہ ہوئی اور انہیں یہ کہا میری آمینہ بھی مر چکی ہے۔ کیا وہ بھی مرنے کے بعد یہاں سال بھر رہی ہے اس پر اُنہوں نے جواب دیا کہ اسی دروازے کی طرف اشارہ کرتے کہنے لگی کہ ہم نے اسے تو سیدھا ادھر ہی بھیج دیا تھا۔ کیونکہ اس نے تو دنیا میں کوئی ایسا کام کیا ہی نہیں۔ بس پھر جو دیکھا تو امینہ پھر میرے سامنے ذرا ازردہ سا منہ لئے کھڑی تھی اور اس کے کچھ زیور ماتھے پر دکھائی دے رہا تھا جیسے ہمارے مانگ دونی ہوتی تھی۔ میرے دل میں یہی خیال گزرا کہ قرآن مجید میں کبھی پڑھا تھا کہ خدا جنتیوں کو سچے موتیوں

کے زیورات پہنائے گا خبر نہیں دیکھنا چاہیئے کہ جنت کے موتی
کیسے ہیں۔ بس میرے تو دل میں ہی تھی اس نے وہ ماتھے کا
زیور اُتار میرے ہاتھوں میں دے دیا وہ کچھ موتی سے
ہی تھے۔ پھر میں نے اپنی لڑکی کی طرف منہ کر کے اُسے کہا
آمینہ میں نے ہمیشہ اپنے بچوں کو نیکی کی تلقین کی اور برائیوں سے
روکا اور مجھے خدا اس بات کا کچھ بھی اجر نہ دے گا۔ مجھے
اب بیمار کر کے یہاں ڈال دے گا۔ بس میری آمینہ کا کوئی
جواب نہ تھا وہ غمگین نظر آ رہی تھی اور مجھے دیکھ رہی تھی پھر
جو آنکھ اُٹھائی تو آمینہ نہ تھی اور وہ نرسیں تھیں۔ میں نے وہ
موتیوں کا زیور ان کے ہاتھ میں دے دیا کہ آمینہ کو دے دینا
اور میں وہاں تنہا رہ گئی تو میں نے اپنے جسم کو ایسی جھنجھنی سی
دی جیسے میری روح سیر کر کے واپس پھر اپنے قالب میں گھسی
میں نے جھرجھری زور سے لی کہ شاید میں خواب میں ہوں۔ اور
میری آنکھ کھل گئی تو ابھی اندھیرا تھا سردی کی رات تھی۔
میری بہن میرے پاس سوئی ہوئی تھی۔ میں نے اُسی وقت اُسے
جھنجھوڑ کر جگایا اور میرے دل پر اتنی دہشت تھی میں نے اُسے
کہا اقبال خدا کے واسطے جاگ میں نے اب دہشت ناک
خواب دیکھا ہے اور میں بہت ڈری ہوئی ہوں۔ بس اس
وقت میں سوچ رہی تھی شاید میں مر جاؤں گی اور ایسے برزخ

میں یہاں مجھے بھی کوڑھیوں کی طرح رہنا ہو گا۔ لیکن جب دن چڑھ گیا میرے ہوش وحواس قائم ہوئے تو میں نے پھر اس خواب کے لئے سوچنا شروع کیا۔ کیا یہ خواب کیا ہے پھر میری سمجھ میں اس کی اصل صحیح تعبیر آگئی وہ یہ تھی کہ اگر میں مرگئی تھی تو میں پھر اس جہان میں کیسے آگئی یہ ایک خواب ہے جس نے میری اس پریشانی اور زخموں کو ظاہر کیا ہے میں ادھر زندہ ہوں۔ یہ خواب اس جہان کے لئے ہے میں بظاہر لوگوں کو تندرست نظر آرہی ہوں۔ لیکن میں ویسی ہی زخمی ہوں جیسے زخمی میں نے ادھر دیکھے ہیں۔ تندرست ہمارے سائے سے بھاگیں گے ہاں وہ خستہ حال ہمارے جیسے دکھیا ہی ہماری تیمارداری کر سکتے ہیں ہم ایسے ہی زخمی ہیں جیسے مجھے دکھائی دیئے۔

سال بھر اس میں رہنے کا سوال بھی حل ہو گیا وہ یہ کہ ایک سال کے بارہ ماہ ہوتے ہیں جو پھر لوٹ کر آتے ہیں۔ ساری عمر ایک سال ہے۔ بس اب مجھے ایسی برزخ میں گزارنی ہے میری موت ہی مجھے اس برزخ سے نکالے گی جو میری زندگی ہو گی میری آئینہ کی موت کے ساتھ میں مر چکی ہوں اور اس موت کے بعد برزخ اب یہی زندگی ہے۔ ویسے اس خواب کو اس دنیا میں خدا نے اتنا صحیح کر دیا کہ

میری چھوٹی لڑکی فوزیہ جو تقریباً چار سال کی تھی وہ میرے ساتھ چمٹی رہنے لگی اور رات کو بھی میرے ساتھ ہی سوتی۔ بس بچی کے خیال میں پڑ کر سال بعد میری کچھ حالت تو ٹھیک ہو گئی۔ لیکن ابھی وہ ساری عمر کے برزخ میں ہی ہے۔ میری روحانی حالت نہ بدلی وہ اُسی طرح مُردوں سے خراب ہے'۔

اور باقی آپ خود ہی اس خواب کا جو حصّہ ۱۹۴۷ء سے مطابقت کھاتا ہے اس کو بھی دیکھ لیجیئے میری لڑکی اپنی سکھ سہیلیوں کی ماں سے اُن کی خیریت دریافت کرنا اور سکھ کا پہلے منہ پردے میں پھر چہرے کا داغدار ہونا۔ اس سے میں کیوں نہ سمجھوں کہ میں نے جو خواب میں اپنی پیاری آمینہ کو دیکھا سب سچ تھا۔

اور ایک اور خواب سنیئے ۱۹۴۸ء میں میں نے ایک دن یہ سوچا کہ یا اللہ گاندھی اب اتنی عمر اور جینا چاہتا ہے۔ جتنی عمر میں گزار چکی ہوں اور اس عرصے میں ہم زندگی سے بیزار ہو چکے ہوئے ہیں ابھی وہ اتنی لمبی عمر اور چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ۱۲۵ سال کی عمر پاؤں گا۔ توبہ میں نے کہا میں تو کبھی نہ جینے کی تمنّا کروں۔ اتنا عرصہ اور جی کر اس کا انجام دیکھنے کی تمنا نہ کروں۔ میں نے رات کو خواب دیکھا کہ گاندھی کی شکل ایک حسین مگر بڈھی میم جیسی ہے بال ہلکے زردی مائل سفید ہیں

خوب صورت ناک نقشہ ہے اور میں سمجھ رہی ہوں کہ یہ گاندھی ہے۔ لیکن میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اصل شکل میں بدل گیا۔ بالکل ہو بہو گاندھی میں نے اسے ویسے بھی دیکھا تھا اور تصویروں میں بھی۔ اب میرے دیکھتے دیکھتے اس کا رنگ بدلتا گیا۔ بالکل منہ جامنی کلیجی کی بوٹی جیسا ہو گیا۔ لاکھا لال اور وہ اپنے منہ سے کہنے لگا دھؤاں دھؤاں جیسے وہ سامنے دھوئیں کو دیکھ رہا ہو۔ پھر وہ گر پڑا پھر اُس کو دو شخص مل کر اٹھا کر اندر لے گئے اور جب وہ دھؤاں دھؤاں کہتا ہے میں سوچتی ہوں اس کو دھؤاں نظر آرہا ہے ہمیں تو کہیں نہیں نظر آتا۔ فضا صاف ہے۔ شاید اُس کے سر کو خون چڑھا ہے۔ اسے دھؤاں نظر آرہا ہے۔ بس اس کے بعد وہ گر جاتا ہے اور اُسے اُٹھا کر اندر لے جاتے ہیں۔ میری آنکھ کھُل گئی میں نے پھر یہ خواب سب کو سنایا اور تعبیر یہ لی کہ اس کے سر کو خون چڑھ رہا تھا۔ خدایا خیر ہو کہ شاید پھر نہ کوئی مسلمان ہندو کا فساد ہو ہم ابھی یہ تعبیریں بنا ہی رہے تھے کہ گاندھی کو کسی نے گولیاں مار دیں وہ مر گیا اور اس کی چتہ صندل کی تھی اور اس قدر گھی وغیرہ ڈالا گیا ساری دہلی کے اوپر دھؤاں چھایا ہوا تھا اور شاید اُسے وہ دھؤاں بھی نظر آگیا جوان لیڈروں کی لیڈری کے طفیل لوگوں کے دل جلے۔ گھر جلے اُن کی آہوں کا دھؤاں فائیر کا

اسی طرح میری بہن کو ایک خواب ۱۹۴۲ء میں دکھائی دیا کہ سکندر حیات کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے اور وہ مر گیا۔ جس رات میری بہن نے یہ خواب دیکھا اُن کا ہارٹ فیل ہو چکا تھا اور صبح خواب سنانے کے ساتھ ہی سُنا کہ سکندر کا ہارٹ فیل ہو گیا ہے اور اسی طرح میں نے اور میری لڑکیوں نے اکثر اور سب بندوں کو خواب آتے ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے سچے ہو جاتے ہیں اور ایسے دکھائی دیتے ہیں جن سے آنے والے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں اب مجھے ایک اور خواب یاد آگیا۔ میں نے ہٹلر کو دیکھا کہ ایک کمرے کی چھت میں بڑا روشندان ہے اور خوب ویسی شکل ہے مونچھوں والی اور اس روشندان کے ساتھ ایک بڑی ساری لکڑی کی سیڑھی ہے اور وہ خوف زدہ شکل سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے اور میں اُس وقت سوچتی ہوں کہ یہ اس چھت کے راستے اُڑ جائے گا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ہٹلر کی موت آج تک ثابت نہ ہو سکی اور وہ یقیناً چھت کے اُوپر سے اُڑ گیا۔

بس مجھے کوئی یہ بتائے کہ آخر یہ رمز کیا ہے جو ہونے والے واقعات کی تصویریں دیکھ لیتی ہے۔

ایک اور خواب ملاحظہ ہو ہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتی ہوں مجھے بے شمار سچے خواب دکھائی دئے اور میری

علیمہ خانم بیٹی کو بھی لیکن یہاں صرف اُن خوابوں کا ذکر کیا
جاتا ہے۔ جن کا تعلق خاص واقعات کے ساتھ وابستہ ہے
اور ان واقعات کو ہر کوئی جانتا ہے ؂

اچھا سُنئے میرا ایک اور خواب یہ ہے ۱۹۳۹ء میں لڑائی جب
شروع ہوئی تو میں وارث روڈ پر ایک کوٹھی میں رہتی تھی
جنگ میں شروع شروع میں جرمنی کا پلہ بھاری تھا بعد میں
جاپان شامل ہوگیا تو وہ بھی نہایت زور شور سے آگے آگے
بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جنرل میکارتھر کو ہوائی جہاز میں بیٹھ
کر اپنی فوجوں کو وہیں چھوڑ چھاڑ بھاگ جانا پڑا۔ انہیں
دنوں میں نے ایک خواب دیکھی یہ ۱۹۴۲ء سے پہلے کا واقعہ
کیونکہ ۱۹۴۲ء جولائی میں ہم نے وہ کوٹھی ہی چھوڑ دی
ماڈل ٹاؤن اپنی کوٹھی میں آ گئے۔ لیکن مجھے اس خواب کی دن
تاریخ بالکل اچھی طرح یاد نہیں۔ لیکن یہ واقعہ ۱۹۴۲ء جنوری
سے پہلے کا ہے جب ہم اس کوٹھی میں تھے۔ میں نے دیکھا
کہ ہماری کوٹھی ہے لیکن احاطہ بہت وسیع اور لوگ بیشمار
جمع ہیں۔ بس انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ سب کی آنکھیں
آسمان کی طرف ہیں۔ جس چیز کو وہ دیکھ رہے تھے وہ اوپر
ایک بڑا سورج ہے ہماری آنکھوں کو وہ فٹ بال جتنا بڑا
لگتا ہے۔ اس کے کوئی دو فٹ نیچے ایک کرکٹ یا ٹینس

کی گیند جتنا دوسرا سورج ہے۔ وہ ساتھ جیسے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے آسمان پر حرکت کر رہے ہیں۔ وہ اتنے نزدیک آ گئے۔ بس ہماری کوٹھی کے کونے کے بالکل ساتھ سے گزر رہے تھے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اگر یہ کونے سے ٹکرا گئے تو بس یہ مکان اور اس کے ساتھ سب کچھ اُڑ جائیگا اگر نہ ٹکرائے تو بس خیریت ہے۔ بس وہ صرف ایک انچ سے بھی کم جگہ درمیان میں چھوڑ کر وہ آگے نکل گئے تو لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ میری آنکھ کھل گئی۔
جاپان کا بادشاہ جو سورج بنسی خاندان سے ہے اور سورج کی اولاد میں سے بنتے ہیں جو ظاہر بات ہے خواہ وہ سورج سے تعلق نہ بھی رکھتے ہوں۔ لیکن ادھر ایشیا میں سورج پہلے ان کے گھروں میں نظر آتا ہے۔ بس کسی نہ کسی طرح وہ سورج سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں جس سے تعلق وہ ظاہر کرتے ہیں وہ سورج اور خود پھر چھوٹا سورج وہ بنتے ہیں۔ اس کا ساتھ اس طرح ہونا اور ہمارا گھر یعنی ہمارا وطن بس وہ قریب سے گزر تو ضرور گئے۔ لیکن وہ ہمارے وطن کو تباہ و برباد نہ کر سکے۔ بغیر کسی قسم کے ٹکرانے کے چلے گئے تو اتنے بڑے بھاری واقعہ کے ساتھ اس خواب کا تعلق ہے پھر یہ روح کا معاملہ کب سمجھ میں آنے والا ہوا کہ ہم سوتے ہیں اگلے

حالات کے نقش دیکھ لیتے ہیں۔ سونا تو ہمارے جاگنے سے بھی زیادہ عجیب ہوا۔

میں نے بے حد بے شمار خواب ایسے دیکھے ہیں جن کا تعلق ایسے گھریلو معاملات تک ہے جس کو سننے سے دوسرے انسانوں کو کوئی اتنی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے میں صرف انہیں پر ہی اکتفا کرتی ہوں +

اور اسی طرح میں ہی خواب نہیں دیکھتی۔ سارا جہاں دیکھتا ہے اگر خواب کچھ حقیقت نہ ہوتے تو پھر حضرت یوسف کو خدا خواب کی تعبیر کیوں سکھاتا اور پھر ان کا خواب سُن کر تعبیر دینا بالکل بے معنی بات تھی +

---

(۱) اقوال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

(۱۱) مومن اپنے حسنِ اخلاق سے رات بھر جاگنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ رکھتا ہے +

(۱۲) نیک عادت نیک کام اور میانہ روی نبوت کا ایک حصہ ہے

(۱۳) کسی مسلمان کو مناسب نہیں کہ وہ دُنیا کی رنجش پر اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے +

(۱۴) بہت بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی حالت میں بات کرے کہ وہ تجھ کو سچا جانتا ہو اور تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیان چوسر

جب میں چھوٹی سی تھی تو ایک کھیل پچیسی ہوتی تھی جو ہماری برادری کی بڑی بوڑھیاں، نوجوان یہ کھیل کھیلا کرتی تھیں۔ لیکن میری ماں اور دادی نے کبھی یہ کھیل نہ کھیلا تھا۔

میں جو ابھی دس سال کی ہوں گی تو ایک بڑھیا بزرگ اس کھیل کی بہت شوقین جو میرے مقابلے میں مجھ سے پچاس سال بڑی بیبیاں چاچی جس کا اصل نام مرادبی بی تھا لیکن اس اصل کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اس کے ساتھ پچیسی کھیلا کرتی تھی۔

وہ بیبیاں چاچی اور کوئی کام کرنا نہ جانتی تھی ویسے ہاتھ کی سخی تھیں۔ خدا جنت نصیب کرے۔ انہیں دنوں میں نے دیکھا ایک کاغذ پر کھیل گیان چوسر وہ کھیل کا کاغذ تہہ ہو جاتا تھا۔ اس میں بھی سیڑھیاں اور سانپ ہوتے تھے لیکن ہر سانپ کے پاس کوئی نہ کوئی بدی کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا اور سیڑھی کے پاس شروع اور آخیر میں کوئی نیکی اور بڑائی کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا۔ میری ماں جنت نصیب نے کہا کہ یہ کھیل بہت اچھا ہے۔ اس سے انسان، برائیوں سے بچ سکتا ہے اور نیکی کرنی سیکھ سکتا ہے۔ یہ کھیلا کر

لیکن وہ پتلے سے کاغذ پر تھا بچے جلد ہی اُس کو پھاڑ دیتے تھے۔ اس کی نکل آج بھی سنیک اینڈ لیڈر کھیل خوب صورت رنگین کاغذوں یعنی گتّے پر نکلا ہے وہ صرف سادہ کھیل اور وقت کا زیان ہے اس سے بچے کوئی سبق حاصل نہیں کر سکتے اس لئے میرے دل میں آیا کہ ایک کھیل بنایا جاوے جس سے بچّے سبق بھی ساتھ حاصل کریں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے اس میں دو سانپ ایسے تھے جن کے منہ کامیابی کے ساتھ تھے اور دُمیں کھیل کے شروع میں پہنچ جاتی تھیں۔ جونہی انسان سوچتا کہ اب میں جیت کے قریب ہوں تو وہ غرور اور تکبّر نام سانپ کوڑی نگل اپنی دم کے پاس پہنچا دیتے یعنی جونہی سانپ کے منہ کے پاس جاتی۔ بندہ خود ہی کوڑی کو دُم والے خانے میں رکھ دیتا اسی طرح دو سیڑھیاں بھی کچھ بڑی تھیں۔ باقی کچھ نیکی کی سیڑھیاں چھوٹی چھوٹی کوئی سچ کوئی ہمّت کوئی بہادری کوئی سخاوت کی سیڑھیاں تھیں۔ بس انسان اگر سچ کی سیڑھی کی جڑ میں جاتا تو بہت سارے خانے جیت لیتا اس کے دوسرے سرے پر نیک بختی یا کوئی کچھ اور لفظ لکھا ہُوا ہوتا۔ اسی طرح اوپر اخیر میں ایک مسجد سی بنائی ہوئی ہوتی ہے شائد اُس کا نام تھا "عرش عظیم" پھر آخر میں کوڑی اس میں جس کی چلی جاتی وہ جیت جاتا۔ سو یہ کھیل کتنا اچھا اور مفید تھا۔

اب بھی میرا جی کرتا ہے کہ میں کوئی ایسی کھیل بناؤں جس سے بچے صرف کھیل ہی نہ کھیلیں کچھ سبق بھی سیکھیں فقط
پیاری امینہ کی دلنگار اماں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاؤ

دیکھو اگر آپ کے پاس ہاتھ نہ ہوتے تو آپ گلہ کرتے کہ خدا نے ہمیں ہاتھ نہ دیئے اور جب ہاتھ ہمیں دے دیئے. پاؤں دئے کان دئے، آنکھیں جو سب سے بڑھیا اعضا ہیں وہ دیا تو ہمیں چاہیئے. سو اس لئے اس کی شکر گزاری کریں اور ان سے خوب اور اچھے کام لیں۔ اگر ان کو ہم استعمال میں نہ لاویں تو بتائیے پھر ان کا فائدہ ہی کیا ہوا اپنے ہاتھ ہوتے ہوا تے ہم دوسرے کے محتاج ہوئے خود کرنے کا کام اور ہم لاچاروں، معذوروں، مجبوروں کی طرح بیٹھے دوسرے کا منہ تک رہے ہیں کوئی ہمیں پانی پلائے اور ایسے چھوٹے چھوٹے ہزاروں کام جو ہم خود اس ہاتھ پاؤں آنکھ کی بدولت کر سکتے ہیں نہ کریں اور دوسروں کے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں پر نگاہ کرکے بیٹھے رہیں

کتنی بیوقوفی ہے۔ پھر اگر خدا اس ناشکر گزاری کے بدلے یہ دئے ہوئے غلام ہم سے چھین لے تو پھر کس قدر افسوس ہو اُن کے چھن جانے کا بس یہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اعضا بخشے ہیں۔ ہمیں ان سے پوری طرح کام لینا چاہیئے اور ہاں انہیں آسودہ بھی رکھنا چاہیئے یعنی ان چیزوں کی سلامتی کے لئے جو کچھ ہم کر سکتے ہوں کرنا چاہیئے۔ ان کو صاف رکھو، پاک رکھو اور ان سے جائز فائدہ جو ہمارا حق ہے وہ لو جو اُن کا حق ہے اُن کو دو فقط۔

پیاری بیٹی امینہ کی دلفگار اماں

انوال مبارک حضور صلعم

(۱۵) منافق کے چار نشان ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے خلاف کرے۔ جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے جب جھگڑنے لگے تو فحش بکنے لگے۔

(۱۶) مظلوم کی پکار سنو خواہ وہ کافر ہی ہو۔

(۱۷) جو شخص شفقت کی راہ سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے ہر بال کے بدلے جو اُس کے ہاتھ کو چھوئے قیامت کے دن ایک ایک نور ہوگا

(۱۸) جو شخص دو لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کرے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں قیامت کے دن وہ میرے ساتھ ہوگا بیشک لڑکیوں کی تعلیم مقدم ہونی چاہئے کیونکہ ماں کی گود بچوں کا پہلا سکول ہے۔

دُنیا دار سے خطاب

مسافر ہے تو اے بازارِ امکاں کے تماشائی
کہاں تک ابلہانہ خود پسندی اور خود رائی
ذرا چشمِ بصیرت کھول گر رکھتا ہے بینائی
ترے کس کام آئیں گے خیالاتِ من و مائی

اُڑی خوشبوئے گل ہے، رنگ روئے نسترن پھیکا
بعجلت پھول چُن ہونے کو ہے رنگ چمن پھیکا

خرامش کب تلک کبکِ دری کے قہقہے کب تک
خیاباں میں رہیں گے بلبلوں کے چہچہے کب تک
کہاں تک فصلِ گل سروِ سہی کے لہلہے کب تک
تو صرفِ دیدِ گل کب تک فدائے چنگ و نے کب تک

کرے گا کب تلک مشقِ خرامِ نازِ مستانہ
رہے گا حسن کا اپنے تو کب تک آپ دیوانہ
بندھیں گے تازہ مضموں کب تلک گیسوئے سنبل پر
تراشے جائیں گے فقرے عبث برگِ رگِ گل پر
سخن چینی رہے گی تا کجا تقریرِ بلبل پر
رہے گی بحث جاری کب تلک تیری جزو کل پر

رہیگا تا بہ کے صرفِ خیال مطرب و ساقی
سمجھتا ہے کچھ اپنا بھی حساب واصل و باقی

تو مستاجر نہیں بن کر ہے آیا باغ امکان کا
نہ استمرار کا پٹہ ہے تیرے نام سلطان کا

مگس بن کر مگر ے پڑنا بُرا ہوتا ہے مہماں کا
بہت کچھ تو نظارا کر چکا سنبل کا ریحاں کا

اُٹھا بستر نئے سیّاح یاں اب آنے والے ہیں
جو ہیں موجود وہ سب آگے پیچھے جانے والے ہیں

بہت کچھ تو نے گلچھرے اُڑائے باغ میں آ کر
اگر بیٹھا تو اِترا کر چلا اُٹھ کر تو اٹھلا کر

بہت روندے گل تر کروٹوں میں سیج سجوا کر
ہوا برہم تو پتّیاں کے کھینچے تو نے نچوا کر

ٹھکانا ہے کہیں بدخو تیری عالی دماغی کا
رہا ہر حال میں دلدادہ اپنی خوش فراغی کا

کہیں بے درد طاؤسِ گلستان ذبح کروائے
بلا سے تیری گر اک بے زبان کے دل پہ بن آئے

ہوئی تفریح جب بے کینہ طائر تو نے لڑوائے
تیری پاپوش سے لہو ہے یا چونچ پھٹ جائے

تیری تفریح ہفتہ وار کا اچھا تماشا ہے

وہ زخمی ہیں تیرے لب پہ او ہو ہو ہے آہا ہا ہے
پھرے آزاد تو اور قید مرغانِ ہوا ہو ویں
پڑے پنجروں کے اندر بیکسوں کے دم خفا ہو ویں

یہ مقصود اس ستم سے ہے وہ تیرے غم ربا ہو ویں
چھپر کھٹ پر تو جب لیٹے تو وہ نغمہ سرا ہو ویں

تیرے نزدیک خوش نغمہ ہے نالہ بے زبانوں کا
نہیں دل میں ترے کچھ درد اُن آشفتہ جانوں کا

تجھے معلوم ہے کس واسطے تو باغ میں آیا
وہ کیا مطلب تھا جسکے واسطے سلطان نے بھجوایا

نہ بھولے سے کوئی دم بھی ادھر کچھ دھیان فرمایا
کہ میں ہوں کون جاتا ہوں کدھر کس سمت سے آیا

میرا نخل بقا کب تک چمن میں لہلہائے گا
ہزار ہستئ موہوم کب تک چہچہائے گا

معیّن وقت تک تجھ کو ملا ہے سیر کا فرماں
غرض یہ تھی کہ جب ہو جلوہ بخش گلشن امکان

تیرے آنے سے ہوں سب ہمصفیران چمن شاداں
چلن سے تو عزیز دل ہو اور ان کا تو سر در جاں

تو ہر اک حال میں اُن کا شریک ہمنوائی ہو
دلوں میں اُن کے جا ہو تیری سینوں میں رسائی ہو

مصیبت جس کو پیش آئے تو اُس کا آشنا تُو ہو
کوئی ماتم زدہ پائے تو اُس کا غم رُبا تو ہو
کوئی ہو راہ گم کردہ تو اُس کا رہنما تُو ہو
غرض ہر زخم کا مرہم ہو ہر دُکھ کی دوا تُو ہو
جہاں مشکل کی پڑ جائے گرہ ناخن ترا کھولے
تو ہر اک درد میں شامل ہو ہر آواز میں بولے
جہاں کانٹے نظر آئیں کرے تو صاف وہ رستہ
نہ خیمے ہر دم برہنہ پائے بیکس کا رہے کھٹکا
نہ ہو پامال گلچیں سبزۂ خوابیدہ گلشن کا
جلانے پائے گلبن کو نہ بادِ گرم کا جھونکا
لڑیں دو بلبلیں تو ثالث بالخیر تُو ہووے
معاون بن کے ہادی بن کے گرم سیر تو ہووے
ملا کر آنکھ کہہ مجھ سے تو اس میں ہے کیا کیا کیا
رکھا کس زخمِ دل پہ مرہم امداد کا پھایا
نکالا دشتِ غربت میں کسی کے پاؤں سے کانٹا
کسی آفت زدہ کا بوجھ گہ تُو نے کیا ہلکا
بچایا ہے کسی گم کردہ رہ کو رہنما ہو کر
کیا ہے پار بیڑا بھی کسی کا ناخدا ہو کر
اگر غفلت سے اب تک کچھ نہیں تو نے کیا غافل

تو اس خوابِ گراں سے چونک آئندہ نہ ہو کاہل
بڑھے جاتے ہیں ساتھی ہمسفر نزدیک ہے منزل
یہ فرصت بھی غنیمت ہے اگر کرنا ہے کچھ حاصل
اولُوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں
تجھے اِک شاہِ عالیشان کی پیشی میں جانا ہے
ہمیشہ کے لئے ماوا اُسی کا آستانہ ہے
اُسی سرکار سے ملتا سبھوں کو آب و دانہ ہے
اُسی کی ذات کا محتاج ہر فردِ زمانہ ہے
عجب سرکار ہے ڈنکا ہے ہر سو اُس کی عظمت کا
ٹھکانا ہی نہیں کچھ رفعتِ ایوان دولت کا
ازل سے بیشتر اُس نے چُنا ہے نعمتوں کا خوان
ہمارا میزبان پاک ہے وہ ۔ ہم ہیں سب مہماں
نباداتی جماداتی ہوائی روح اور انساں
اُسی سرکار سے انعام پاتے رہتے ہیں ہر آں
اُسی کا لُطف کرتا ہے کفالت ہم غریبوں کی
وُہی فریاد سنتا ہے ہمیشہ بد نصیبوں کی
لگاتا ہے کبھی ظلمت کا چشمِ نور میں انجن
چھُپاتی ہے چراغِ نور۔ گہ ظلمت تہِ دامن

ہے روشن اس کی ڈیوڑھی پہ چراغِ مہر بے روغن
فلک تاروں بھرا در پہ مرصّع کار ہے چلمن
فرشتوں تک کی آنکھیں نور سے یاں چندھیاتی ہیں
مقدس روحیں سجدے کرتی ہیں آنکھیں بچھاتی ہیں
قوےٰ کی فوج کو ہے نظم و نسق دہر کی خدمت
ہوا کرتی ہے زیرِ حکم عقلِ کل یہ سب محنت
کرم کے کارخانوں سے ہمیشہ ملتی ہے دولت
یہ لکھ لُٹ باب رہتا ہے کھلا ہر آں ہر ساعت
بقدرِ ظرف طالب یاں ہیں پیمانے مقدر کے
لئے جاتا ہے جو جس کو ملا پیمانہ بھر بھر کے
وہ بے پرواہ ہے اُس کو غلاموں کی نہیں پروا
نہ درکار اُس کو تخت و تاج ہے نے مسند و تکیہ
نہ کھائے اور نہ پہنے وہ مقدس ذات بے ہمتا
ہمارے واسطے جو کچھ ہے یہ دُنیا و ما فیہا
وہی تو ہے وہ سلطان کبریا ہم جس کو کہتے ہیں
وہ شہنشاہِ عالی ہے خدا ہم جس کو کہتے ہیں
چراغ شمع مہر و ماہ اُسی کی لو میں جلتے ہیں
اشارے سے اُسی کے وہ یہ چشمے اُبلتے ہیں
اُسی کے حکم سے دن رات کے پہرے بدلتے ہیں

کواکب ٹھیک اپنی اپنی رفتاروں پہ چلتے ہیں
اُسی کے حکم سے قائم ہے مدّ و جزر دریا کا
گُل و سبزہ سے دامن پُر وہی کرتا ہے صحرا کا

نہایت چھوٹی جانوں میں بھی لُطفِ زندگی بخشا
ہیں اپنی جنس میں خوش دُوسروں کی کچھ نہیں پروا
ہوا والوں کو پانی والوں سے مطلب نہ کچھ رشتہ
کلولیں کرتے ہیں باہم اُڑاتے ہیں مزے کیا کیا

وہ باہم مِل کے جس دم ذکرِ ہست و بود کرتے ہیں
جہاں کے عیش کو اپنے ہی تک محدود کرتے ہیں

نظر آتی ہے چیونٹی گو بہت کم نوعِ خلقت میں
اُمنگیں اُس کی جا پہنچے کوئی لیکن عزم و عادت میں
تمنّا میں تدبّر میں تجسّس میں ذکاوت میں
ذخیرے کے فراہم کرتے ہیں نوعی حمائت میں

ذرا اس ننھے سے سینے کا فرطِ جوش تو دیکھو
دماغِ نرم و نازک کا وفورِ ہوش تو دیکھو

یہ حیرت خیز اس خلّاق کی قدرت نمائی ہے
کہ ہر اک فرد میں اپنی ہی دُھن ہے خود ستائی ہے
اَنَا الْمَوجود کا تغیر ہی ہر اک سر میں سمائی ہے
فدا ہونے کے لائق انتظامِ کبریائی ہے

کروں وصفِ جلالِ کبریا میری زباں کیا ہے
یہاں جبریل کے پر جلتے ہیں میرا بیاں کیا ہے
کروڑوں باغ ہیں اُس کے اور اس میں لاکھوں گلشن ہیں
ہر اک سُو لالہ و شمشاد و نرگس، سرو سوسن ہیں
خیابانوں میں طاؤسانِ دلکش سایہ افگن ہیں
تبسّم کرتے ہیں غنچے عنادل چہچہا زن ہیں
جو مشتاقانِ سیرِ باغ شوق اپنا جتاتے ہیں
معین وقت تک نوبت بنوبت آتے جاتے ہیں
مگر جو سیریاں کرتے ہیں ہوتا ہے حساب اُن کا
محاسب ساتھ رہتا ہے کیا جو کچھ وہی لکھا
سیاہا وہ مرتّب ہو کے جب دفتر میں ہے جاتا
ثمر ملتا ہے اُس کا جس شجر کا بیج بویا تھا
کبھی دریائے لطفِ خاص سلطاں جوش زن ہو کر
معاصی پر بہا دیتا ہے پانی ذوالمنن ہو کر
وہاں تو پائے عزت ایسا کچھ سامان مہیّا کر
پشیماں ہو گزشتہ غفلتوں سے اب نہ سویا کر
بھرے بازار میں آیا ہے تو پُر نفع سوداگر
حضورِ شاہ میں تا سُرخرو ہو جائے تو جا کر
مکرّم جنس ہے یاں دستگیری نیم جانوں کی

خریدا کر ملیں جتنی دُعائیں ناتوانوں کی

یہ جنسِ بے بہا سرکار میں مطلوب ہووے گی
زیادہ جس قدر ہو سب کی سب مرغوب ہووے گی
یہ سودا نقد ہے اسکی تجارت خوب ہووے گی
اِسی یوسف پہ رحمت محو جوں یعقوب ہووے گی

جو سوداگر یہ لے جاتے ہیں خوب انعام پاتے ہیں
دُر و لعل و گہر خوش منصب و اکرام پاتے ہیں

نہیں ممنوع تو کچھ اس چمن میں پینے کھانے سے
نہ تو رکھا گیا ہے باز یاں آرام پانے سے
نہ تجھ پر قید ہے پھل توڑتے شاخیں جُھکانے سے
بُرا کیا ہے جو تُو ہو شاد بلبل کے ترانے سے

مگر رہ حد کے اندر جو تیری شے ہے اُسے پی کھا
لگا رکھ دِل میں الترضائے شہنشاہ کا کھٹکا

اقوال مبارک حضور صلعم

(۱۹) لوگوں کی عداوت ڈالنے سے بچو۔ کیونکہ یہ عداوت سب بھلائیوں کو مٹا دینے والی ہے ؎

(۲۰) علم کو تلاش کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(۲۱) سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے ساتھ خوش سلوک ہے ؎

صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی مَیں لا رہی ہوں
اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

مَیں سب کار بہوار کے ساتھ آئی
میں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے
نسیم اور صبا کو بھی لٹکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے
مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے
اُٹھو سونے والو کہ مَیں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں
ہر اک ملک میں دیس میں ہر وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں

بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک
زمین سے ہے جلوہ مرا آسمان تک
مجھے پاؤگے دیکھتے ہو جہاں تک
کروگے بھلا کاہلی تم کہاں تک
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے
کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھے پہ لے کر مچھیرے
دلدّر ہوئے دور آنے سے میرے
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

بڑی دھوم سے آئی میری سواری
جہاں میں ہوا اب میرا حکم جاری
ستارے چھپے رات اندھیری سدھاری
دکھائی دیئے باغ کھیت اور کیاری
اُٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں

منازلِ حیات

(از جناب مولینا محمد عبدالراشد الخیری جناب دہلوی)

(۱) گلزارِ شیر خوارگی

یہ ایک چھوٹا سا مگر خوشنما و شاداب باغیچہ تھا۔ مختلف عمروں کے آدمی۔ مردوں اور عورتیں۔ بادِ بہاری کا لُطف اُٹھاتے پھرتے تھے۔ صبح سعادت کا وقت تھا۔ گلہائے رنگین کی پیاری صورتوں نے زمین چمن کو بوقلموں کر رکھا تھا شبنم نے موتیوں کے ہار بچھا دئیے تھے۔ بادِ صبا فرحت و انبساط کے مژدے دیتی پھر رہی تھی عورتوں کی گود میں چھوٹے چھوٹے بچے تھے مرد جوق در جوق ہاتھ میں لئے ہنستے بولتے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ اُمیدوں نے اُن کے چہرے مالامال اور دل چونچال کر رکھے۔ ہرے بھرے گلزار آنکھوں کے سامنے لہلہا رہے تھے اور ماؤں کے قدرتی چشمے کشت امید کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ انتہائے نظر اور حدِ خیال تک چپّہ چپّہ اور ذرّہ ذرّہ شاداب نظر آتا تھا۔ وسطِ چمن میں ایک نور کی لہر لہریں لے رہی تھی۔ کیا بے فکری کا زمانہ تھا

مسافر! وہی چھوٹے بچے بھوک لگی۔ کنارے پر آئے منہ جھکایا اور سیر ہو گئے۔ ہائے کیا نعمت تھی! کلیجے سے لگا کر دنیا بھر کی کلفت دُور ہو جاتی تھی۔ افکار و ملال خواب و خیال ہو جاتے تھے۔ رنج و غم غلط ہو جاتا تھا۔ کیا دولت تھی۔ جس کے مقابل ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ ہے وقعت تھی۔ بادشاہِ وقت کا حکم اتنا مناسب تھا کہ ہر شخص مسافر نوازی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس خدمت سے محروم رہ جاتا تو اپنے تئیں نہایت بدقسمت خیال کرتا کیا مبارک سرزمین تھی جو مرد نظر آیا۔ شگفتہ۔ جو عورت دکھائی دی باغ باغ۔ عورتوں کے پرے کے پرے جب مسافروں کو گود میں لیکر گلگشت کو نکلتے تھے۔ درختوں کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ یہ محافظ و خبر گیر جو مسافروں کی خدمت پر متعین تھے۔ ایسے اچھے لوگ تھے کہ سو طرح سے نثار تھے۔ ذرا مسافر کے پھانس لگی اور بے چین ہوئے۔ ان لوگوں کی پیشانیاں ستارۂ صبح کی طرح روشن تھیں اور ان کے دل برکت نور سے معمور محبت کا سرمہ اُن کی آنکھوں میں لگا ہوا تھا اور خدمت گزاری کی روشنی ان کے چہروں پر چمک رہی تھی مگر کا نام نہ تھا۔ ریا سے کام نہ تھا۔ خالص محبت تھی اور سچی خدمت۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے کہ جان تک کا دریغ نہ کرتے تھے۔ خوش قسمت

میزبان تھے کہ کامیابی کے ساتھ مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ اگر کوئی مسافر اِن کی خدمت ہی میں ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو جاتا تو روتے تھے اور پیٹتے تھے۔ یہاں ایک اور بات دیکھ کر بہت متعجب ہوا بہت کم مسافر ایسے نظر آئے کہ خدمتِ محافظین کو مدِّ نظر رکھا۔ اِس خدمت کا معاوضہ تو خیر نا ممکن تھا۔ جب وہ وقت آتا کہ وہ ان کے محتاج ہوتے تو یہ آنکھ چرا جاتے۔ لذائذ نفسانی کے پابند ہو جاتے۔ غیروں سے محبت کرتے دوستوں سے اختلاط کرتے خود محافظ ہو کر لوگوں یعنی مسافروں کی خدمت کرتے۔ لیکن وہ خدمت فراموش کر دیتے۔ جس کی بدولت خدا نے اِس قابل کیا۔ پھر بھی وہ اللہ کے بندے ہر حال میں خوش تھے۔ جس کو سنا یہی کہتے ہیں +

"خدمت کرو تمہاری سعادت ہے۔ نہ کرو۔ کچھ شکایت نہیں۔ اس پر منزلوں مسافر کے ہمراہ جاتے اور حتی المقدور آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ ہر منزل میں خدمت کرتے تھے اور ہر مصیبت میں شریک رہتے۔ اِن میں بعض نا عاقبت اندیش ایسے بھی تھے جو عقل کی آنکھوں پر پردا ڈال لیتے تھے اور درجۂ محبت کو کمال پر پہنچا کر جا بجا امتیاز کھو دیتے تھے۔ اپنے برے اعمال اور ناقص افعال کا نمونہ دِکھا کر اصلی مطلب ضبط کر دیتے تھے اور پہلی ہی منزل پر مسافروں بیچاروں کو بانٹ مارنی شروع کر دیتے تھے۔ مسافروں کے اسباب میں پہلے سے گھن لگنا شروع ہو جاتا تھا +

(۳) سرائے طفولیّت

سرائے طفولیّت ایک عالیشان محل حیات آباد آسمان سے کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ شہر کے ہر چہار طرف چونہ کی پختہ عمارتیں بنی تھیں سرائے کے دروازۂ خاص پر رنگ برنگ کے جھنڈے ہوائیں لہرا رہے تھے۔ دیواروں کی گلکاریاں محرابوں کے نقش و نگار موسم بہار کا مزا دے رہے تھے۔ رنگا رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ لوگ خوشحال اور فارغ البال نہ کوئی مفلس نہ کنگال۔ بازار کشادہ با رونق۔ دکاندار خلیق متفکر المزاج۔ عجیب مقام تھا کہ ہر طرف بے فکری کے ڈنکے بج رہے تھے۔

سرائے کے اندر ہر طرف وسیع اور پختہ کمرے بنے تھے۔ بے فکری کا دور اطمینان و فارغ البالی کی حکومت۔ امیری کا کارخانہ تھا۔ بادشاہت کا زمانہ تھا محافظ زیادہ وہی تھے جو منزل اوّل میں تھے مگر محبت کا ثمر پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ مسافروں کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ کیا مبارک سرزمین تھی کہ رنج و غم پاس آکر نہ پھٹکتا تھا۔ ناعاقبت اندیش انواع اقسام کی نعمتیں اُن کے دسترخوانوں پر چُن دیتی تھی۔ کھیل کود کی خلعت گرانبہا زیب تن۔ خوشی کا تاج سر پر لگائے ہوئے ادھر ادھر پھرتے تھے۔ کیا دن تھے

کہ پھر نہ آئے اور کیا جگہ تھی کہ دوبارہ دیکھنی نصیب نہ ہوئی۔ بغض و حسد کا گذر نہ تھا۔ فکرِ معیشت کا پتہ نہ تھا۔ دولت و عسرت کا امتیاز نہ تھا۔ نخوت و محیت کا نام نہ تھا جو ضرورت ہوئی وہ رفع۔ جو خواہش ہوئی وہ پوری۔ اُن کی بھولی بھالی باتوں اور سیدھے سادھے معاملوں پر آسمان سے انصاف کے موتی برس رہے تھے۔ فراغت و اطمینان کا باغ خوش خرمی کے پھول نچھاور کر رہا تھا۔ محبت و پیار کے ہار گلے میں پڑے تھے۔ کامیابی کے گلدستے طاقوں میں چنے تھے۔ آرام و آسائش کی بیلیں دیواروں پر چڑھی تھیں۔ غرض ہر قطعہ گلزار ارم بنا ہوا تھا محافظ و خبر گیر کیسے کیسے خدمت گزار! کہ حکم کی دیر اور تعمیل کو تیار۔ ایسے ایسے ناز بردار کہ ذرا سے اشارہ پر جان نثار کرنے کو آمادہ انتظام اتنا حتیٰ کہ بڑے بڑے سرکش، تاجدار، مسافروں کے سامنے عاجز و لاچار تھے۔ اسی منزل کا تمام زمانہ آزادانہ و بے باکانہ گزر گیا۔ ضرورت سے پہلے اور حاجت سے پیشتر ہر چیز تیار اور موجود۔ نہ کسی بات کا کھٹکا تھا۔ نہ کسی چیز کا خوف نہ عزت کی خواہش تھی نہ دولت کا ارمان۔ نہ نخوت کے اسباب و غرور کا سامان۔ جو ملا، کھا لیا۔ جہاں نیند آئی وہیں پڑ رہے۔ طبیعت میں شر نہ تھا اور دل میں فساد نہ تھا۔ کل کا فکر نہ تھا۔ کیا ہوگا یہ یاد نہ تھا۔ کوئی بات خلاف مزاج ہوتی

توڑ دیئے۔ مگر طبیعتوں میں قبولیت کا مادہ موجود تھا جو سنتے تھے، وہ کہتے تھے جو دیکھتے تھے، وہ کرتے تھے۔ نتائج سفر کا دارومدار اسی جگہ تھا۔ ذرا سی لاپرواہی بد سے بدتر بنا دیتی تھی

(۳) چمنستانِ شباب

چمنستانِ شباب کی سرحد میں داخل ہوتے ہی طبیعت خودبخود شگفتہ ہونے لگی، ہوا کے فرحت بخش جھونکے دل و دماغ کو تر و تازہ کرنے لگے۔ پھولوں کے تیز اور مست خوشبو سے کوسوں تک جنگل مہک رہا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے، دل میں اُمنگ اور خواہش پیدا ہوتی گئیں۔ پاس پہنچ کر دیکھا۔ ایک خوشنما باغ دُور تک چلا گیا ہے، دروازے لگے ہوئے ہیں۔ چاردیواری کھچی ہوئی ہے۔ مگر اندر جانے کے واسطے اجازت عام ہے۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہیں، آگے قدم بڑھایا، تمام عالم سرسبز شاداب نظر آیا۔ ہر قطعۂ چمن بہشت بریں بنا ہُوا ہے۔ رنگ برنگ کے پھول کھلے ہُوئے ہیں، خوشبوؤں سے ہوا اور ہواؤں سے باغ کو مہکا دیا ہے، گلاب کے تختے پھیلے ہُوئے ہیں۔ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے بھی بہہ رہے ہیں، بارآور درخت جھنڈ کے جھنڈ جھُوم جھُوم کر زمین کو چوم رہے ہیں۔ طائرانِ خوش الحان

ڈالیوں پر بیٹھے چہکار رہے ہیں ہرے ہرے درخت لہلہا رہے ہیں۔ پرندے کلیلیں کر رہے ہیں۔ گملے قطار در قطار چلے گئے ہیں۔ کیلے کی چھاؤں دور تک پھیلی ہوئی ہے سنگِ مرمر کے حوض بنے ہوئے ہیں۔ رنگ رنگ کی مچھلیاں تیر رہی ہیں وسطِ چمن میں ایک بارہ دری ہے پٹاپٹی کے پردے پڑے ہیں مخمل رومی و کاشانی کا فرش بچھا ہوا ہے۔ کنیزیں نو سر سے پاؤں تک جواہرات میں ڈوبی زرق برق لباس پہنے آراستہ پیراستہ ادھر اُدھر پھر رہی ہیں

سرائے طفولیت کی طرف سے مسافر بھاگتے دوڑتے چلے آرہے تھے۔ چمنستان شباب کے دیکھ کر اس طرح دلدادہ ہوتے تھے کہ گویا اب تمام عمر بہ فرحت و شگفتگی ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی اس سر زمین کی ہر چیز میں کچھ ایسا مقناطیسی اثر تھا کہ دل خود بخود کھینچا چلا جاتا تھا۔ دو چار صورتیں ایسی بھی دکھائی دیں۔ جنہوں نے اس بات کا پتہ لگا لیا کہ یہ دلفریب جلوے عارضی و فانی ہیں ٭

غور سے دیکھا تو درحقیقت یہ تمام چمنستان ایک جادو کا کارخانہ تھا۔ گلاب کے پودے کانٹوں سے پٹے پڑے تھے چنبیلی کے پھولوں میں شہد کی مکھیاں چھپی بیٹھی تھیں بیلوں میں سانپ بچھو لپٹے ہوئے تھے چشموں کا پانی دیکھنے میں شفاف اور صاف تھا۔ لیکن پینے میں اس کا مزہ زہریلا تھا چور۔ قزاق۔ گرہ کٹ۔ اٹھائی گیر۔ آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے اور اپنے فن کے ایسے کامل و ہوشیار کہ کتنا ہی تجربہ کار آدمی

کیوں نہ ہو بات کی اور گرفتار ہُوا نشے کا سا عالم تھا۔ جو نظر آیا۔
بنجو داور سرشار دیواروں پر خوبصورت تصویریں بنی ہوئی تھیں مگر ہر
تصویر ایک دام نظر تھا۔ ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو گلے کا ہار ہوئی جو چیز تھی
دیکھنے میں کچھ برتنے میں کچھ۔ ہوا کے خوشگوار جھونکوں تک اُس سمیت سے
ملی ہُوئی تھی ذرا ہوا لگی اور مسافر کچھ کا کچھ ہُوا باغ کے اس طرف ایک بیابان
تھا۔ ڈھاک کا جنگل کافی دور چلا گیا تھا۔ جانور صحرائی ہر طرف سے ہوتے تھے
جانوروں کی خوفناک آواز سے رات کو تمام جنگل گونج جاتا تھا۔ بھیڑیے
بسا اوقات اندر گھس آتے تھے۔ شیروں کے منہ کو خون لگا ہوا تھا۔
چیتے ہر وقت تاک لگائے رہتے تھے۔ ہاتھیوں کا غول بارہا اِدھر اُدھر
نکل جاتا تھا۔ چمنستان کے پانی میں خاص طور پر یہ خاصیت تھی کہ مسافر
اپنی اصلیت بھول جاتا تھا۔ حرص و تمنا دامنگیر ہو جاتی تھی خواہش و ارمان
کا ہجوم ہو جاتا تھا۔ مزاج میں نخوت آجاتی تھی۔ آنکھوں پر غفلت کے
پردے پڑ جاتے تھے۔ حسن و عشق کی تصویریں دلوں کو مسخر کر لیتی تھیں۔
اختلافِ حقوق ظلم و تعدی عادات ہو جاتے تھے۔ خوف نہد اغارت
ہو جاتا تھا خود غرضی کا جال ایک طرف بچھا ہُوا تھا۔ علائق کی زنجیریں ہر
طرف پڑی تھیں۔ غرض از ابتدا تا انتہا چمنستان اور بارہ دری ایک سانچا تھا
کہ مسافر کو ڈھالا اور ایک دوسری طرف پھینک دیا گرفتاران بلا ہاتھ میں
سخت کڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں جکڑے ہوئے اور کسے ہوئے دھکے کھا
کھا کر باہر نکلتے تھے۔

زمانہ گزشتہ کی یادگار دو چار کلنک کے ٹیکے دس پانچ بدنامیوں کے تمغے باقی رہ جاتے تھے گناہوں کی بھاری گٹھڑی سر پہ ہوتی تھی۔ مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔ مگر جو قدم اٹھتا تھا، پلٹتا نہیں تھا۔

یہ لوگ اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں مارتے تھے۔ خود چمنستانِ شباب کے واقعات اگر چشم بصیرت سے دیکھے اور تامل صحیح کرتے تو اصلاح کو کافی تھے۔ بیمار پڑے ہوئے کراہ رہے تھے مصیبت زدہ چیخ چلا رہے تھے۔ قبرستان قبروں سے مرگھٹ، کھوپریوں اور ہڈیوں سے پٹ رہے تھے کوئی ماں کے غم میں سوگوار تھا۔ کوئی باپ کے رنج میں بیقرار کسی کی بہن چھوٹ رہی تھی کسی کا بھائی چھوٹ رہا تھا ایک جوان بیٹی کو رو رہا تھا۔ دوسرا بیٹے پر جان کھو رہا تھا کوئی رو رہا تھا کوئی ہنس رہا تھا کہیں پیدائش کہیں موت کہیں چھٹی کہیں برات، کہیں دن کہیں رات زمین سے لیکر آسمان تک ہر چیز رنج میں ڈوبی ہوئی۔ مرد مغموم عورتیں متفکر غرض جو تھا بدتھا۔ یا جوان، حیران و پریشان۔ عظیم الشان محل ویران پڑے تھے سنگین و پختہ عمارتیں سنسان کھڑی تھیں۔ آبادی ہیشمار تھی مگر ہر ایک اپنے دکھ درد میں گرفتار تھا بہت سے ایسے بھی تھے جن کو خدا نے ہر اعتبار سے مالامال کر رکھا تھا۔ عنایت ایزدی شامل حال تھی، صاحب اولاد تھے فارغ البال تھے۔ مگر غور سے دیکھا تو رنج و آفات میں بال بال جکڑے ہوئے تھے مسابلت و غفلت کی انگلیاں انکے کانوں میں ٹھسی ہوئی تھیں اور طمع و حرص کے پردے آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے۔

(۴۸) عالم ضعیفی یا دریائے اعظم

چمنستانِ شباب کے اس کنارے پر حیات آباد سے ملا ہوا دریا

انحطاط لہریں لے رہا تھا۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر پار اُترنے کی کوشش کر رہے تھے موجوں کے تھپیڑے پانی کے گرداب پہاڑوں کی چٹانیں بادِ مخالف کے جھونکے دھارے کے سامنے بھی مشکل سے آنے دیتے تھے۔ غفلت و لاپروائی کے ناخدا جب کسی بلا کا سامنا ہوتا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے مسافروں کی آنکھوں میں غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے ساحل کی کشتیاں برابر ڈوبتی چلی جا رہی تھیں اور اپنی بردباری کا خیال بھول کر نہ آتا تھا حیاتِ ابدی کا تکبیر نعرہ لگائے ہوئے ہوس داروں کے میٹھے ترانے سنتے چلے جاتے تھے۔ اختتامِ سفر کا کوئی وقت مقرر نہ تھا زندگی کے تمام سامان کشتیوں میں موجود تھے اور دنیا بھر کے کاروبار پانی میں ہو رہے تھے عاقبت اندیشی کا گزر نہ تھا انجام پر نظر نہ تھی غرور کا سودا دماغوں میں سمایا ہوا تھا۔ ذرائع ناجائز گود میں لوٹ رہے تھے۔ بے ایمانی کی گھٹا سروں پر چھائی ہوئی تھی۔ ناپائداری دنیا کا ابر تلا ہوا سروں پر کھڑا تھا مگر ہٹ دھرمی اور خود پسندی کا خوبصورت دھیان آنکھ اُٹھانے کی مہلت نہ دیتی تھیں ریاکاری کا تلاطم برپا تھا۔ مکروفریب کے گھڑیال منہ کھولے بیٹھے تھے۔ اتلافِ حقوق کے بھنور جابجا پڑے تھے۔ مگر یہ اُمید بندے "ہمچو من دیگرے نیست" کے نعرے مار دیتے تھے گناہ اور قصور کے اونچے اونچے پہاڑ پرا جمائے کھڑے تھے۔ قطب نما اور دوربینیں خالی کام نہ کرتی تھیں۔ پاپ کی ناؤ ٹکر کھا کر بیچ منجدھار میں ڈوبتی تھی۔ مسافر کی کشتیوں کو ڈوبتا دیکھ کر بھی باقی ماندہ ہمسفر احتیاط نہ کرتے تھے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ جو ڈوبا وہ اسی نتیجہ کا سزاوار تھا۔ مجھ کو کوئی کھٹکا نہیں دوسری کشتیوں کی تباہی دیکھ کر ہنستے تھے اور جب اپنے اوپر پڑتی تھی تو چیختے تھے اور ڈوب جاتے تھے۔ دریائے انحطاط میں ایک جزیرہ نظر آیا "جزیرۂ ندامت" کچھ نیک سیرت بزرگ صورت لوگوں کی جھونپڑیاں ڈالے

ہوئے سرنگوں بیٹھے تھے ان کی سپید داڑھیاں اُنکے چہروں پہ نور برسا رہی تھیں فضیلت کے بڑے بڑے عمامے سر پہ بندھے ہوئے تھے مگر فتنہ پردازی کی چھینٹیں پڑی ہوئی تھیں اور گٹے پڑی ہوئی پیشانیوں پہ کلنک کا ٹیکہ چمک رہا تھا۔ افعال گزشتہ کا تاسف اور اعمال کی پشیمانی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی سر سے پاؤں تک عرق خجالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آسمان پر نگاہ تھی اور لب پہ اللہ ہی اللہ تھا۔

ایک جمِ غفیر عورتوں کا ایسا تھا کہ اس کبر سنی میں بھی جبکہ قبروں میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں اپنی نمائش ظاہری سے فرصت نہ تھی۔ بغض اور حسد کا کاجل آنکھوں میں پھیلا ہُوا تھا۔ نخوت و غیبت کے تیل سے سر گُندے ہوئے۔ کذب و افترا کا زیور پہنے ہوئے۔ نافرمانی کا جھومر لگا ہوا۔ مکر و فریب کا ٹیکہ لگائے ہوئے حیاتِ ابدی کا پیٹا لکھائے ہوئے تن من کر اپنے حسن و صورت کو دیکھ رہی تھیں ایک شخص کو دیکھا یہ آنکھوں سے اندھا ہاتھوں سے لُولا۔ پاؤں سے لنگڑا منہ میں دانت نہیں۔ پیٹ میں آنت نہیں۔ ڈاڑھی سفید بگلے کا پر۔ پلکیں رنگی کاگالا ایک درخت کے نیچے کھڑا بیاج کے ٹوٹ کو رو رہا تھا۔

اس سے ملی ہوئی سرحدِ عدم آباد تھی۔ جس کی پختہ نیلگوں فصیل آسمان سے باتیں کر رہی تھی بلندی کا یہ حال تھا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا وسعت و رفعت کی یہ کیفیت تھی کہ اندر کی آواز باہر نہ آتی تھی مسافروں کو لوگ پھاٹک تک پہنچا سکتے تھے۔ آگے کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکتا تھا۔ دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پہ لکھا تھا "مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنا سفر نیک نامی سے پورا کر کے آئے"!

ختم شد

اشرف پریس ۷ - ایبک روڈ لاہور [illegible] باہتمام شیخ محمد اشرف [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فلسفۂ زندگی

یعنی

زندگی کی کہانی

میرے مشاہدات

زندگی نکلی مسلسل امتحاں ہی امتحاں - زندگی کو داستاں ہی داستاں سمجھے تھے ہم

عرضِ حال

پہلے پڑھنے والوں کی خدمت میں میری عرض ہے کہ میں نہ عالم ہوں نہ فاضل، نہ میرا یہ دعوےٰ ہے کہ جو کچھ عرض کروں گی وہ وحی ہے یا الہام کہ ضرور یقینی ہے۔ اس لیے اگر کسی کو یہ کہانی ناگوار معلوم ہو تو مجھے معاف فرماوے۔ کیونکہ یہ صرف ایک دُکھیا نے جس کو اُس کی پیاری بیٹی عین عالمِ شباب میں جدائی کا داغ دے گئی۔ اُس نے اپنے اس داغ کو مٹاتے